

عَمِّي أَنْ يَتَّبِعَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا

زبده الکاملین و العارفین خاتم المفسرین فی المحدثین شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت الحاج
مولانا مولوی محمود حسن صاحب قدس سرہ کی سوانح مالٹا
از تصنیف لطیف و تالیف منیف

مادائی و بلجائی حضرت الحاج مولانا مولوی حسین احمد صاحب مدظلہ العالی جمادی
اسیر مالٹا ثم محبوس کراچی طائفہ خاص حضرت الامام شیخ الہند طاب ثراہ
بہسکا

سفر نامہ اسیر مالٹا

حیات محمود

سوانح شیخ الہند

بہسکریستی حضرت مولانا محمد امین صاحب خطیب دہلی بند و حضرت الحاج مولانا مولوی
محمد عزیز گل صاحب اسیر مالٹا خاندان صاحب حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے
بندہ ضعیف محمد حمیدی عثمانی مفتاح خلافت شہنائہ دارالاشاعت و التجارت دیوبند
در مطبع سوانح پرنٹنگ کسٹن بہت نام لالہ اسیر نام واس گیتنا طبع کر کے شائع کیا

DS Madni, Hussain Ahmed
479 Safar-namah-yi asir-i Malta
 .1
S43M3
1920

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

James Hiram Smith

1756



S
79

S 31
1

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله نعمة ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شر الفتن
ومن مبيئات اعمالنا من هيج الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هاد له ونشهد ان سيدنا
ومولانا محمدا عبدا ورسوله صلى الله عليه وعلى اله وصحبه وسلم -

اما بعد حارر شاہ اجاڑ کا برادر درت سے قصد تھا کہ حضرت مولانا وقتدارنا وسیلتنا وریعتنا
فی الدارين حضرت خاتم الحشرین مولانا محمود حسن صاحب شیعہ الشیخہ الشریفہ العزیزہ کے احوال سفر
حجاز و مصر و مالہ وغیرہ قلمبند کروں لیکن یہ قسمتی سے اس قدر گونا گون ہوا کہ خلاف امید پیش آتے رہے جن کی وجہ سے
ابتکارت آرزو میدان ظہور پر جلوہ نمائے ہو سکی۔ چونکہ جن بزرگوں کو مجھ کو اس کے تحریر کا حکم فرمایا تھا ان میں زیادہ
برگزیدہ اور میرے لئے واجب الطاعت اور جن کی تابعداری میرے لئے سعادت دارین ہے اس کے وسیلہ و ذریعہ و آخرت میرے
بادی و رہنما میرے ماہ و بجا مجھ کو اللہ اور رسول سے ملانے والے قطب العالم شمس العالین امام الفقہاء والمحدثین
مرکز دائرۃ الحقیقت منطقہ سموات النظر لقیث فخر الاکابر ملاذ الاصاغر مرشدی مولانا رشید احمد صاحب
قدس الشریفہ العلیہ وامنہ البیضاء البہیۃ الانصاری اللنگوہی کی صاحبزادی و محترمی و معظی جناب حافظ
محمد یعقوب صاحب کتب گوہی دام محمد کی الدماجدہ دام مجد باہیں سنے امتثالاً للاحادیث اس کو تحریر کرتا ہوں اور ان کی
خدمت اقدس میں مذکر کے ان کی دعوات صالحہ کا اُسی ذرا ہوتا ہوں ۛ

مولانا مرحوم کے احوال و سوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں منظور ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت
اور افسیت ہے۔ مجھ کو بیشک ایک عرصہ از اپنی عمر کا حضرت حمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے رہا ملا اور اس میں حضرت
کے گہر با نفیس و اپنی استعداد رنگ اور اپنی قسمت رنگ کے موافق کچھ کچھ استفادہ ضرور ہوا مگر نہ تو وہ مدت حضرت
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ کر سکتی تھی اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابلِ قیامت شمار ہوتی ہیں
میں ۹۰ ہجری کے اقبال میں جبکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیا بیس برس کی تھی دیوبند حاضر ہوا چونکہ

میرا وہ دماغ طفولیت اور صغر سنی کا تھا یعنی بارہواں یا تیرہواں سال تھا کہ میں بھی بالکل ابتدائی پڑھتا تھا عقل
دفرامست تو نہ جب تھی نہ اب، اسلئے مجامع اکابر میں حاضر ہونا اور قہر کم کے احوال روجہ علیہ سے فیضیاب
ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جس کا انکار کرنا سر اسر کفر ان نعمت ہے) جبرئیل اناؤں کے
حالیہ اُس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اسی وجہ ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرت سے پہلے
کی نوبت آتی رہی حالانکہ بڑی کتابوں کے پڑھنے کے شائق وقت تک نہیں پاتے تھے مگر مولانا مرحوم کلمہ کلمہ
اپنا چرنامہ لیا کہ کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا گوہر سے محروم نہ کرنے دیا۔

دفعہ رفقہ عجیب و شہور پہنچایا اور ۱۳۱۲ ہجری میں کتابوں کے ختم کرنے کی نوبت آئی تو سفر حج و پیشوا اور بیت
حضرت الدھن مرحوم ہاں مقیم ہونا پڑا جس کی وجہ سے مولانا مرحوم کی حضور کی ایک نہ محرومی رہی ۱۳۱۵ ہجری میں
جبکہ پہلے سفر ہند میں حقر حاضر ہوا تو اکثر تربت قاسم گنگوہہ شریف اور مختلف سفروں میں گزری حالانکہ اس سفر
میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا۔ اسلئے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت فیض و رحمت سے اس
مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی۔

۱۳۱۶ ہجری میں جب سہری مرتبہ حاضر ہوا تو بیشک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر ہوا اگرچہ قبل شہر
تہ تیغ قیامت اچھوڑ دینا میر کاہل۔ کہ خضر از اب حیواں تشنہ سے آرد سکنہ را۔ محرومی اور ناکامی نے
اپنے کرشموں کو بکھلانے میں کوئی کمی نہ کی۔ مادی فکر، دنیاوی خیالات، سفلی ہمتوں، اخلاقی کمزوریوں
کبھی بام ترقی اور استفادہ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نہ کرنے دی۔

تیسرا سفر ۱۳۱۷ء میں واقع ہو جس میں فقط چند ماہ قیام ہوا مگر وہ بھی مختلف اسفند و افکار ہی کے نذر ہوئی جسے باعث معوی مانا
الحاصل میں ہرگز اتنی علمیت اور اقصیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے جملہ احوال قلمبند
کر سکوں۔ ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری اقصیت کی حیثیت سے اس سفر حجاز اور اسکے بعض احوال کے
متعلق کچھ ضرور عرض کر دینگا۔

لیکن قبل از عرض اتنا ضروری پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ حسب طے اکابر قدر جو ہر شاہ داند یا کہ داند
جوہری مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنیہ اور فواضل علیہ کی اطلاع حقیقہ یا تو خود جناب باری عز بہ

کو ہو سکتی ہے یا ان اہل الشرا اور علمائے فحول کو جیکو خداوند کریم نے چشمِ تحقیق اور بصیرت کا عطیہ
فرمایا ہے ہم جیسے مادرِ زاد اندھے کیا پہچان سکتے ہیں ؟

نیز یہ بھی قبلادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جیکو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئی قالبِ ادبِ عام پسند
طرز میں لایا گیا نہیں۔ اگر تکلف اسکو لانا بھی چاہتا ہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہو نہ اسقہ مشق ہو کہ طبیعت
تانیہ کا حکم لے چکا ہو اسلئے عاجز رہ جاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین جیکو ایسی ہنوت اور عبارت
کی غلطیوں پر معاف فرمائیں ؟

حسین احمد مہاجر مدنی

مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہو گا اور ان کے اخلاقی لائف پر نظر ڈالی ہو گی وہ بخوبی
جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جسکی وسعت سات سمندر سے کہیں
زیادہ تھی۔ اقبالیم سب سے اسکے ایک اور یہ میں بھی اپنا پتہ بتلائے سکتی تھیں +

اسنے ہر برادری سے فیوضات حاصل کئے مگر دکانی اسنے قاسمی ہنریں پی ڈالیں مگر ہضم نہ کیا
اسنے رشیدی گھٹاؤں اور دہواؤں معار بادلوں کو چوس لیا مگر کہیں بے اختیار نہ ہوا۔ دعویٰ نہ کیا شیطانیات
میں۔ ہر قسم سے نہ ہٹا شریعت کو نہ چھوڑا۔ عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا مگر دم نہ مارا۔
در کئے جام شریعت نہ کئے مذاہن عشق ہر ہوسنا کے نہ اند جام و سداں باخشن

روحانیت کی بھینی بھینی بارھنبا اسکے سویلا اور مانع میں گونجی ہوئی محسوس کرتی رہتی تھیں مگر وہ ابراہ
تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا نسبتِ چشتیہ صابریہ کی روشن اور انجیا سوز بجلی اسکے اطراف و جوانب اور اعضا
رئیسہ کو سوخت کرتی رہتی تھی مگر مثل شمع سوزان کبھی اُٹ نہ کرتا تھا۔ طریقت کے خوش آیند احوال اسپر
متجلی ہوتے رہتے تھے۔ مگر کسی ادارہ ادنیٰ لوگوں کو شے نہ دیتا تھا +

اسنے فقط باطنی فیوضات کے لئے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ معلوم ظاہر یہ میں بھی درج

مجددِ حدیث و فقہ و امامِ تغیر و کلام وغیرہ ہونیکے کبھی اپنے آپکو دفترِ علمائے شہادہ ہونے دیا۔ اسکی
 کئی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے آپ کو عالمِ اور ہادیِ خلق کیلئے
 زمانہ شمار کرتا ہے۔ اُسے جس فردِ تنہا اور کس نفسی سے اپنی زندگی گزاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی
 خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہی بلکہ خود اُنکے
 اُن معاصرین کو جنہوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے مساکہ فردِ تنہا اور
 کس نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علمائے اور درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی بہت لیگے۔ پھر جبکہ کوئی
 فرد بشر اسکا انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں۔
 اغراض و نفسانیت کا اُن میں نام و نشان بھی نہ تھا تو حسبِ عدۃ نبویہ :-

من تواضع لله فرجہ الله - جس نے اللہ کیلئے فردِ تنہا اختیار کیا اسکو اللہ تعالیٰ بلند فرما دے گا۔
 حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کسی اور کتنی علو شان کا بارگاہِ ربانیت میں پہ چلتا ہے اس میں شک نہیں
 کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا وہ سب کچھ حضرت مولانا انوارِ قوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ
 سرہما ہی کا فیض تھا مگر حسنِ قابلیت اور مبداءِ فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب و غریب نظم
 شگوفہ بنادیا تھا۔ اللہم ارضی عنہ وارضہ واصلہ واصلہ باصداۃ - امین +

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اسقدر عطا فرمایا
 تھا کہ واقفِ احوالِ نامک ہجاتا تھا۔ لوگوں کے وہ عیوب و اخلاق جنکو بڑا حلیم الطبع دیکھ کر آپسے باہر
 ہو جاتا مولانا کی جبین پر تغیر بھی پیدا نہیں ہوسکتا دیتے تھے معصیتِ خداوندی میں تو دوسری حالت
 تھی۔ مگر غیر معصیت اور اصلاحِ خلق میں اور علیٰ ہذا القیاس تکالیفِ آزار کے برداشت کرنے میں تو
 وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جنکو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے نہ بجلی گرا سکتی ہے۔

اسی تحمل اور قصدِ اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الجوہر لوگوں کو مولانا مرحوم
 کی نسبت لفظِ مدہانت وغیرہ کے کدینے کی بھی نوبت آئی۔ مگر جبکہ انجامِ آدم مولانا کے دیگر احوال
 پر اُن کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر متحیر ہوئے +
 فطرۃ نے تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عطا فرمایا

جسکی نظیر وہ اپنے آپ ہی تھے۔ جن لوگوں نے مولانا کے حلقہ درس میں کچھ زمانہ گزارا ہوگا اور پچھتر
دوسرے علماء زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر شبہ
پر شمع صادق آتا ہے:-

ما سبب علماء البریۃ من سکو
الا کشبہ المہر من اسد الشری
خداوند کریم کے کمالات کی جسطرح کوئی حد نہایت نہیں اسی طرح اسکی فیاضیوں کی بھی کوئی حد
و نہایت نہیں:-

لیس علی اللہ ہمستہ
ان یجمع العالم فی واحد
جب کہی کسی نے شعر و سخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اسقدر اُردو فارسی عربی کے اشعار
اُسکو سننے پڑے ہیں کہ اسکو سو اے حیرانی اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی۔ پھر اسے یہ کہ قدرت نے موزون
طبع وہ عطا فرمائی تھی کہ کمرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اُس میں تمیز کامل فرماتے تھے وہ اعلیٰ درجہ
کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقہ علماء تو درکنار حذاق شعر ابھی عیش عیش کر جاتے تھے۔
قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے تلمیذ باغ میں اسلامی سہروردی
اور انسانی غیرت، مذہبی حیثیت، قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دئے گئے تھے۔ وہ فقط مدرسہ نشین یا
خانقاہی بزرگ حضرت کی سی بہت پر اکتفا نہ کر سکتے تھے۔ اُن کی بہت مردانہ اُن کو حسین نہ لینے دیتی تھی
اُن کو قومی جذبات ہر وقت بیدار رکھتے تھے۔ اُن کی مذہبی حیثیت اُن کیلئے تمام مصائب سہل کرتی تھی
اُن کی انسانی غیرت اغیار سے جوڑتی اور نااہل اپنوسے توڑتی رہتی تھی۔ اُنکی اسلامی اور وطنی ہمدردی
اُن کو کبھی اپنوں میں سال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی۔ اُن کو اس راہ میں عجز
کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز و اقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی۔

ابتدائی تحریک
بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب
لگژیمیں کندہ اثر ڈالا۔ چنانچہ اسوقت حسب طریقہ اسناد اکبر مولانا محمد قاسم صاحب

رحمۃ اللہ علیہ (در جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کر شیشا مارا اسلام میں فرمائی۔ فتوے چھپوائے
عدسہ کو بند کرایا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک فدکے ساتھ نکلے، چندے کئے، اور ہر طرح سے

مد کی ترغیب یکرا ایک چچی مقدار بھجوائی۔ مگر اسپر بھی چین نہ پڑا۔ کیونکہ تنگ بلقان کے نتیجے میں دو برسوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور تبادلا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹٹماتے چراغ کو گل کر نیکی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مشرکوں کو تیرہ کی رو باہ بازیاں خرسوس کی جفا کاریاں یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم کر کے اور اجراء دیا گیا کلید سٹون کا زمانہ سر پہی آگیا ہے۔ جو مقاصد سچی دنیا کے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں کے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کوئی تکتے کئے جا رہے تھے اب ان کے انتہا کا زمانہ آگیا ہے اب کوئی دن میں اسلامی وجود دنیا سے اسی طرح مٹا دیا جائیگا جطرح یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا زندگی بھاری ہو گئی نیند اور چٹ گئی مگر زمانہ کی تاریکیاں موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی زبردستی مسلمانوں اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی ہیں چونکہ اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بہرہ و ساتھ اسلئے اسے تمام خیالات اور اوہامات ملاحول پڑھا اور مردانہ دلرگام زن ہوا اسکو مشکلوں کا سامنا ہوا۔ اسکو سخت اور تند اندیشیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اسپر بادیموم کے جھلسانے والے تہیزوں نے طلبہ مارے اسلئے اے احباب! قارب ماد استین بن گئے ہر شخص ناصح بن کر سدراہ ہوا مگر اسلئے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش کی سب کو چھوڑ دیا مگر اپنے خدا پر ہوسہ کر کے دن رات کام میں لگا رہا۔ چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے اسکو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی تک نیاس کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کام نپونہت کم ہیں مسلمانوں میں قابلیت بے گداز کو جمع کرنے والا نہیں +

چونکہ میں اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا اسلئے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اسلئے ایسے تیرہ و تار یک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا۔ میرے معزز ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ کہہ بیٹھے کہ کونسا ملک فتح کر لیا یا کونسی حکومت قائم کر لی یا کونسا کا نمایاں دکھلادیا۔ میرے پیکر ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا سنہ ستاون کا سماں باندھتی تھی۔ آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اسکا پتہ پانی ہو جاتا تھا خود مختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا برق جہاں سنوڑ سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی۔ برطانیہ تو نے

عالم کے دل دماغ پر اپنا کانٹہ جمار کھا تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ لوگوں کے دلوں پر سب قدر موجود حکومت کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا عشر عشہ بھی خدا سے قہار کا اثر نہ تھا۔ جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں ہی خیال میں ہیں تو غالباً میں دو غلو شمار نہ کیا جاؤں گا۔ ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی تخیال بنالینا بڑی کامیابی ہے یہ

حضرات! بنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہو پھر تو مکان کا تعمیر کرنا آسان ہو جاتا ہے الجھیل مولانا نے اسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کر نیا لوں کیلئے جنگجو مدت سے تیار اور مدد ہوشی تھی مگر طریق کار باہر نہ آتا تھا شاہراہ عمل قائم کر دی۔ اصحاب نے ل اور ارباب درو خوشی خوشی مولانا کے سہرا ہو گئے اور علاوہ اسکے او بھی بہت کام ہو گئے جنگجو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اشار میں فلک نے نیگل بھلایا اور جنگ عموں کی تیرو تار یک بنیاد پڑ گئی۔ سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ بستیاں کی بستیاں برباد ہوئے لگس۔ بر و بھر میں فتنہ و فساد پھیل گیا مظلوم و بیمار ترکی پر بھی جو روح فحاشی آندھیوں نے اندھیرا پھیلایا۔ ابھی تک اسے بلقان کے تباہ کرنے والے صدموں سے سنبھالنا لیا تھا کہ ایک خونخوار بلانا گاہ اُس کے سر پر ڈھمکی دشمن ہو کہ مدتوں سے تقسیم ترکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھ کر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے۔ عراق میں مدتوں کی سازشیں، سورین میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں، حجاز میں برسوں کی خفیہ کوششیں، آرمینیا میں قتلوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں، پیر عظم کی قدیم وصیتیں، فرانس اور کلیڈر میں کی قلبی خواہشیں پھول اور پھیل لانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اس ایک بان سلام پر تینیس مسیحی انہوں نے خوب راز دہانی کی۔ ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں اس کو دبانے شروع کیا۔ اس کے بنے بنائے مکمل وہ دو دھید نات جنگو اس نے اپنے خون سے بنوایا تھا اپنی قوم پر فاقے کو ارا کر کے جیبوں کو ڈر باؤ نہ نکلوا کر تیار کر ائے تھے۔ برطانیہ نے عوام اچھین لئے ہر ہر محاذ پر قوت جنگی جمع کر دی گئی۔ اچھل ایسے گونا گوں معاملات کئے گئے جنگی وجہ جو اختلاف کو بھی ایک ایسے فرقہ کا تھا دینا پڑا جس کا سفر گذشتہ زمانہ میں عالم اسلام پر نسبت فرقہ فانی نہایت ہی کم تھا اور جس سے بہت زیادہ امید کیجا سکتی تھی کہ وہ استقبال میں عالم اسلام کیلئے مفید اور اُن کی آزادی کا بہرہ دہو گا۔

مولانا مرحوم کی حالت ابتدائے جنگ میں
اور گورنمنٹ کو بدظنی کی وجہ سے

احکامات سے مولانا مرحوم کے قلب حزین پر نہایت زہریلا اثر ڈالا
اُن کو نا انصافیوں سے بیحد چھین کر دیا۔ ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی

رہتی تھی چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافتِ ترکی باقی رہ گئی تھی اسلئے جلا اہل ایمان کو اُسی سے
لگاؤ اور تعلق تھا اسی لئے قلباً اور تلباً اُسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں مگر اس جنگ کے زمانہ میں
بھی مثل بلقان، بلال احمد وغیرہ کے چندوں کی اجازت ہو جاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوشِ دینی کی قدر
صورتِ ظاہر ہو جاتی مگر اس زمانہ میں تو یہ ماد بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اسکو کوئی علاقہ
نہ تھا جرم خیال کیا جائے لگا۔ خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہوئے لگی۔ یہاں تک کہ بعض مقامات میں
خلافت کیلئے عا کر نا بھی جرم شمار کیا گیا۔ ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کئے گئے اور خلافتِ اسلامیہ کے تعلقاً
کو پوچھا گیا عموماً ایمان فروشوں نے ترکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا۔ بہت سے علما
سورسے خلافتِ ترکی کے متعلق فتاویٰ میں زہرا گلنا شروع کر دیا۔ ہندوؤں کے خوف زدہ ہو کر سکوت یا دھڑکنا
بیان کو ترجیح دیا۔ عام پہلک سے ہر طرح خلافتِ اسلام داد دی۔ پھر جبکہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع
کر دیا کہ یہ جنگ ترکی سے سیاسی ہی نہ رہی نہیں تو کئے ہاتھوں منافقین کو میدان میں کھیلنے کا موقعہ مل
آگیا۔ ان واقعات نے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بے حد بھڑکا دیا چونکہ مولانا کی غیرت دینی حید تھی ان
احوال کو دیکھ کر اپنے آپ میں نہیں رہ سکتے تھے اسلئے بسا اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور بغاوت
سیا جوشِ مذہبی میں نکل جاتے تھے جنکی وجہ سے گورنمنٹ کے ہوا خواہوں، دشمنانِ اسلام، خواہشات
نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اچھا موقعہ ہاتھ آگیا وہ دشمنانِ مولانا مرحوم جنگو
مدتوں آرزو تھی کہ وقت ہاتھ آئے کہ مولانا کی تذلیل توہین کا سامان ہوائ کی آرزو پوری ہو گئی۔
دنیا میں کوئی کتابھی ضلع جو کیوں نہ ہو دشمن اور دوست کے خالی نہیں رہ سکتا خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع
انام ہو جاتی ہے اُس کے دشمن بھی ضرور بہت ہوتے ہیں اور ہر وہ فتادی جو بارہ عدم استحقاق
خلافتِ ترکی تھے وہ مرتبہ پیش کئے گئے دونوں مرتبہ مولانا سے رد کر کے اور بن لوگوں نے اُس پر لکھا تھا
سخت کلمات استعمال کئے مگر عام میں نا کو پھینک دیا۔ چونکہ یہ فتوے باشارہ یا با مگر گورنمنٹ تھے اس لئے
انکی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقع ہوا لگا چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت معزز مآل

کیا گیا) مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ ان فتوؤں کے محرر اور موجد تھے۔ سرحد افغانستان میں بھی اُن
 ایام میں طاقت پیش آئے اور گورنمنٹ کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ چونکہ عام طور پر قبائل میں کس
 قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی یا خاستان یا افغانستان
 وغیرہ کے مولانا حرم کے شاگرد یا اُن کے معتقد ہیں اسلئے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینا کا اور بھی
 زیادہ موقع ہاتھ آیا اور یہ سمجھا یا گیا کہ جو تحریکات جہاد قبائل یا خاستان میں ہو رہی ہیں وہ مولانا کے
 اشارہ ہیں۔ اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا حرم کے جوش زمانہ جنگ بنگلان و طرابلس سے بھی گورنمنٹ
 کو بدظن کرنے میں نفع اٹھایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ دہر تو جنگ کے واقعات مولانا حرم پر اثر ڈال رہے تھے
 رادھو گورنمنٹ کو بدظنی بڑھتی جاتی تھی دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آ رہا تھا۔ آخر کار نوبت بائیکاٹ
 کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہو گئی۔ بعض باخبر اجانب نے مولانا سے عرض کیا کہ لاندوں
 زیر قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کر رہی ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علی خاں صاحب اڈیر اخبار زمیڈار
 مولانا محمد علی صاحب اڈیر کامریڈ اور اُن کے بھائی مولوی شوکت علی صاحب وغیرہ نظر بند ہو چکے ہیں آپکی
 نسبت بھی یہی فکر ہے اسلئے مناسبت ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جبکہ کوئی تحقیق دائمی طور پر نہیں ہوتی آپ
 اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مولانا حرم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اسلئے مناسبت ہو کہ
 ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدت جنگ عمومی نہ ہو۔ اس سامان کے ساتھ یاد آئی میں شہریت
 رہے۔ یہ آخری زمانہ عرصہ کا ایسے سعود و مبارک سرزمین میں صرف ہونا نہایت فضل اور شہب ہوگا۔ اسلئے
 وہاں کی تیاری شروع کر دی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی +

ماہ شوال ۱۳۳۷ھ میں قصد فرمایا چونکہ مولوی عمر بیکل صاحب خادم خاص کو اپنے وطن
 کی طرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا اسلئے اُن کی دہلی کا
 انتظار فرمایا اس مدت میں سامان سفر قدرے مہیا ہو گیا۔ عالیجناب حکیم عبد الرزاق

مولانا حرم کا
 حجاز کو روانہ ہونا

صاحب غازی پوری برادر بزرگ جناب اکبر انصاری نے اس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جسکے حضرت
 مولانا حرم ہمیشہ ممنون منت رہا کئے حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بھی پہنچے اور ہر قسم کا ضروری
 سامان سفر نہایت فراخ دلی کے ساتھ مہیا کر دیا۔ بلکہ جائے قیام اور کھٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کر دیا +

مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی بہت ارباب عقیدت استغاضہ یا خدمت کیلئے ساتھ ہوئے جنہیں سے خاص خاص حضرات حریف مل ہیں۔ مولانا نفسی حسن حساب چاند پوری۔ مولانا محمد سہول صاحب بھگل پوری۔ مولوی محمد میاں صاحب انہومی۔ مولوی عزیز گل صاحب کن زیارت کا کا تھا۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم۔ مولوی مطلوب الحسن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب الحسن صاحب زہری۔ حاجی عبدالکریم صاحب سرنجی۔ وحید احمد وغیرہ ۛ

مولانا کے
رفقائے سفر

عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کر کے جا رہی ہیں اور اب ہمیشہ حرمین شریفین میں عمر بسر فرمائیں گے اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوف وفات اپنی جائیداد شریعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کر دی تھی اسلئے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی مولانا ایک عرصہ تک لے اپنے گھر کے مصارف کا بھی انتظام کر دیا تھا۔ اب اس انواد کی وجہ ہر شیش پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کیلئے موجود رہتا تھا۔ طلباء مدرسے اپنے اپنے اعزہ کو تاریخ روانگی سے تار کے فریقہ مطلع کر دیا تھا۔ غرض کہ ہر شیش پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا جسکی وجہ مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا شیعہ گروہ والے بھی بہت ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جا کر چار بجے نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرما کر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آ گئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے راستہ میں رتلہام راندیڑ میں بھی قدرے قیام فرمایا کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے جنہوں نے سخت اصرار فرمایا تھا۔

راندیڑ سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور انجن محافظ تاج کے آفس میں جسکو حکیم عبدالرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا۔ وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا اگر انجن کے کارکن نظام کافی نہ کرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صورت ممکن ہی نہ ہوتی ۛ

وہ تاخیریں کبر، ہماز کی روانگی کی تھیں اسی کے ٹکٹ مولانا مرحوم اور ان کے ساتھیوں کے لئے لئے گئے تھے۔ مولانا اور ان کی خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کمر کے اور باقی ماندہ کے چتر پری یا تنق کے تھے۔ چنانچہ بروز شنبہ ۷ رزی القعدہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے۔ چونکہ اکثر ہمسایوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس تھی اسلئے

بہت سے مولانا کی
روانگی

عموماً ان کو بزرگی اور جگر وغیرہ کی شکایت پیش آتی جسکی وجہ میوہ جات اور عمدہ غذائیں اپنے
 موقع پر صرف نہونی جسکی بڑی مقدار حکیم صفا نے مولانا اور ان کے رفقاء کے لئے مہیا کی تھی بلکہ بہت
 سی چیزیں ضائع ہوئیں۔ بوجہ طور جنگ اندوں قرظینہ جزیرہ کا مراٹھا لیا گیا تھا اور قریب جدہ
 کے مقام سعد میں ہونا تھا چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور بخیر و خوبی مولانا مع رفقاء کے اترے اور
 ایام قرظینہ نہایت مافیت سے انجام دیکر جدہ پہنچے ۛ

بہی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقاء سے یہ کہا کہ تقریباً آٹھ
 خفیہ پولیس کی افواہ

دس آدمی تمہارا ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں ان سے احتیاط رکھنا ہم نہیں کہہ سکتے کہ
 یہ بیان صحیح تھا یا غلط چونکہ یہ بات اہل جہاز کو معلوم ہو چکی تھی کسی شخص نے جو کہ غالباً جدہ یا مکہ معظمہ کا
 رہنے والا تھا اسکو ٹرکی پولیس تک پہنچا دیا۔ اور جو لوگ مشتبہ تھے ان کے نام نشان بتائے اور کہہ دیا کہ
 یہ لوگ مولانا پر مسلط ہو کر آئے ہیں حالانکہ اس قسم کا خیال مولانا کو تھا اور نہ ان کے رفقاء کو۔ ٹرکی پولیس نے
 فوراً ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کمبڑت میں پولیس کا افسر تصدیق کرانیکے لئے حاضر ہوا مولانا
 خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا تقی حسن صاحب غیرہ کو بھیجا۔ چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی
 نہیں اسلئے مولوی صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہکو کوئی یقین ان لوگوں کی سی آئی ڈی ہے یا مولانا
 پر مسلط کئے جانے کا نہیں ہے۔ ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکتے جس کا ہکو علم نہیں مگر پولیس ٹرکی نے
 اس جواب کو اس پر حمل کیا کہ چونکہ ان لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے اسلئے صحیح طور پر اپنی معلومات کو
 ظاہر نہیں کر سکتے۔ التحاصل ٹرکی پولیس نے ان لوگوں کو زیر حراست رکھا اور اسی طرح انکو جج کر اکر یہ کہا کہ اگر
 تم اپنے محافظ سپاہیوں کا خرچہ دو تو تمکو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ تمکو ہندوستان
 واپس ہونا پڑے گا۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس اس قدر خرچ نہ تھا اسلئے وہ بھی واپس کر دئے گئے ۛ

بعض خفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم ممبئی پہنچے تو وہاں کلاسر پولیس کے پاس
 دوسری افواہ

تار آیا کہ مولانا کو ممبئی میں گرفتار کر لیا جائے اور آگے جالا نہایت جاکر چونکہ مولانا کے
 پاس بہت بڑا جمع رہتا تھا اسلئے ممبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا اور اسوجہ انہوں نے عملدرآمد سے
 بہلو تھی کی۔ پھر دوسرے حکم روانہ کیے کہ بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہنچا کہ مولانا کو جدہ میں اترنے نہ دیا جائے

بلکہ جہاد ہی پر گرفتار کیا جائے مگر یہ حکم اُس کے پاس اُس وقت پہنچا جبکہ مولانا جو میرہ معتمدین برآقہ لطیفہ اتر چکے تھے اس لئے اس میں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کتنا تک صحیح ہیں) مگر سبکو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے +

۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ وراثتوں کی سہاری پر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور انھیں یسویں کو مکہ معظمہ میں شب بھر گزار کر شام کو داخل ہوئے۔ ورنہ طبعی طور پر حجاز کے ہجوم کا ہوتا ہے مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمد رفت بند یا کمی پر تھی اس وجہ سے نسبتاً ہجوم میں کمی ضرور تھی مگر تاہم مکہ معظمہ کی گلیاں اور مکانات مسافروں سے بھر پڑتے۔ حرم محرم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طواف قدوم و سعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور ادائے عبادات میں بدل جان مشغول ہوئے +

مولانا مرحوم مکہ مطہرہ میں حسب ثورہ مولانا تھانی حسن صاحب دیکر حضرت سید ابن عاصم صفا کو مطہر بنایا تھا۔ سید صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں بشرط خاص کے ساتھ معاملہ اسکی حمیت اور قابلیت کے موافق کرتے ہیں حجاج کو عماناؤن کی فائزیت راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں اُن کے مناسک میں حتی الوسع احکام شریعہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ عام مطہروں کی طرح اُن کے معاملات پیچیدہ نہیں سید صاحب موصوف میں مروت بہت زیادہ بشرط سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں انکو نہایت مسرت اور دولت حاصل تھی۔ زمانہ کے انقلابات نے ان پر اس زمانہ میں بہت زیادہ گراںباری کر دی ہر جگہ کی وجہ سے مقروض ہوئے اور اسی وجہ سے سال گذشتہ میں مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے۔ اس شخص نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور اُن کے رفقاء کے ساتھ نہایت اذیت اور شرافت کا معاملہ کیا۔ ہم جملہ توسلین مولانا مرحوم کے اُن کے خاص طور سے شکر گزار ہیں +

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو مہنی میں اور صبح کو عرفات میں پہنچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالیٰ نہایت کمال کیساتھ ادا کئے گئے +

اسی سال جناب مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا ضروریہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہو اتوا ایک ست ہزار تک سرزمین حجاز خصوصاً

طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغالِ باطنیہ اور فیوضاتِ ظاہریہ خلقِ اللہ کی ہدایت میں
 سبستطاعت دلچسپی لیں لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مذہبی پختہ ہو کر تعین تاریخ وغیرہ تک کر چکا
 اور اسوقت تک مولانا شیخ السمر حجتہ اللہ علیہ نے اپنا مقصد سمجھ نہ کیا تھا اسلئے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی
 بلکہ مولانا غلیل احمد صفا کچہ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے۔ اُن کے ساتھ
 کوئی جمع کثیر بھی نہ تھا۔ فقط اُن کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے۔
 چونکہ مطوف مولانا موصوف کا سید مرتضیٰ تھا اسلئے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی
 کیونکہ ہر ایک کے شتر بان مغائر تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں بھی اگرچہ قافلہ
 ایک ہی تھا مگر اتحادِ دل نہ ہو سکا۔ شتر بان دور دور رہتے تھے۔

تیرہویں تاریخ کی شام کو حبیب عادت نئی سے واپس شہرِ مدینہ منورہ کی روانگی
 کی فکر میں شروع ہوئیں انہیں آیام میں حاجی خان محمد مرحوم نے ملک عدم کا قصد
 فرمادیا۔ اونٹوں کے گرایہ، شغاف کی درستی، ساہان سفر کی فراہمی، تبریز وغیرہ
 میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۱۲ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۵ھ کو قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ
 ہوا۔ سید امین عاصم صفا نے اپنے شتر بانوں کے سوا کو مولانا مرحوم اور اُن کے رفقا کے لئے منتخب کیا
 اور اسکو مولانا کی رحلت رسائی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اسیں شک نہیں کہ سنے تمام سترہ سبب
 ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا۔ نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور اُن کی جماعت اُتر کر باجماعت
 ادا فرماتے تھے۔ یہ شتر بان یا تو اسوقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا اور خود مع
 دو ایک آدمیوں بندوق لئے ہوئے حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہو جاتی اور پھر سب
 اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو جاتے۔

موجودہ رفتار میں سے مولوی مطلوب الرحمن صفا تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان پس
 ہو گئے تھے۔ کیونکہ اُن کی ملازمت سرکاری تھی اور خصیت استقدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ
 سے لوٹ کر موقع ملازمت پر وقت سے پہلے پہنچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی۔ باقی ماند حضرات
 سب ساتھ تھے۔ مولانا مرحوم نے حسن انتظام کے لئے ابتدا ہی سے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو میر قافلہ

رہسہ کا انتظام

بنایا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص لچسپی ہو اور خمد دیگر کمالات کے اس بھی اُنکو خاص کمال ہو۔ مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھ رکھا تھا اور جہل خد متیں نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں چونکہ تمام فقہ اہل علم اور ایک مذاق کے تھے اسلئے نہایت خوش اہلوی سے یہ سفر فرحت دوسرے کے ساتھ طے ہوا +

اس مقام پر ملاحظہ ہو کہ اس خبر کی قلمی بھی کھول دی جا جسکو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی تھی اور جس سے سوال بہم پہنچا بارہا کیا گیا۔ گورنمنٹ کے کانوں تک خبر پہنچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے تربت قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے درغلانے اور ترکوں کے ہر طرح مدد و معاون ہونے وغیرہ کے حاصل کی جسکو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ہندوستان میں اُسکو لوگوں دیکھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیونکر کان نہرتی ہو اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کر لیتی ہے +

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر چونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا خصوصاً ایام گرامیں۔ اس لئے اُس ملاقات قبل از حج ممکن نہیں تھی غالب پاشا اس سال بھی طائف سے سیدہ روانہ ہو کر عرفات میں آکر شریک حج ہوا تھا۔ مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ سے باہر کہیں تشریف نہیں لیگے البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا مگر چونکہ محل شامی آیا ہوا تھا اور اُسکے متمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے اسلئے گورنر موصوف کو اپنی رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت تھی کہ کسی سے بات تک کر سکتے تمام محمل کے انتظامات، خزانہ کی افکار، انور پاشا کے والد ماجد کی تشریحات، حج کے انتظامات، شہر کی کاروائیاں، دور و دراز سے آنیوالے ترکی انیسوں سے ملاقات، وغیرہ وغیرہ اس قدر کاروبار تھے جنکی بنیاد اُسکو اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط و ضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابل اعتماد ہو جائیں کہ شاہی عہد نامے اور وثائق کے تنظیم و تدبیر کی نوبت آئے ایسے معاملات میں تو مینے گنجائش ہے۔ ادھر مولانا کو افکار سفر مدینہ منورہ اور اُسکے انتظامات مختلف طبقات ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمد و رفت جھکا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا،

شوقِ ادائے عبادات و درجہ محترم جو کہ مدتائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتے تھے۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف کو لوٹ گیا۔ نہ وہ ترکی زبان بھوار و فارسی وغیرہ جانتا تھا (عربی کے دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفتِ شید سے بھی انقباض تھا) نہ مولانا کو ترکی زبان کا واقفیت۔ مولانا کیلئے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نہ تھا جسکی وجہ سے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدتِ عمر حکام اور اہلِ دنیا سے قلبی میلان تھا پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور اُن پر یقین کر لیا۔ اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقت گورنمنٹ کے دوست نہاد دشمن میں بہت غلط سلطہ پھیلے دے میں جکی غلطی اتفاقاً آفتاب کی طرح روشن کر دی ہے۔

اسیں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیت بہت زیادہ تھی اور بائیں ہاں اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا اس میں ہمیشہ سچاں رہا کرتے تھے طرح طرح کی تدبیریں کاروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے مگر گفتگو اس میں کہ مولانا ان مقاصد کیلئے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اُسے گورنمنٹ کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کارروائی کر رہے تھے یا نہیں۔ دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا۔ گورنمنٹ اندرونِ ملک انڈیا کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردیِ اسلامی کے اعمال کو جبکہ وہ امن سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ ہڑ سمجھتی ہے وہ آزادی کے پرچم کو ہندوستانی قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہشمند ہو اُس کے ذمہ دار وزراء اور پادشاہوں کے ہٹا الفانائیں عدا اور عہدوں میں اور جملہ عقلائے انگلستان اُس کے گویا ہیں کہ ہم ہندوستان کو بوقتِ قابلیت استعداد پوری آزادی دیدینگے۔ چونکہ فطرۃً قابلیت کا معیار طلبِ صداقت رکھنا سوا سلسلے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہوگی تو طلبِ صداقت ضرور بالضرور ہوگی۔ اور جب طلبِ صداقت ظہور پذیر ہوگی جب ہی قابلیت کا علم ہوگا۔ عمدہ میں جب یہ ہم غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے ایو جب ظہور بھوک سے حکیم حاذق معذ کی قابلیت کو پہچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جبکہ قابلیت تولید پیدا ہوتی ہے اسوقت ایک کو دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرۃً کے قوانین پر اگر جا بجا دیکھا جائے تو اسکی سیکڑوں نظیریں مل سکیں گی۔

غرض کہ جو حساب و وجہ طلبیہ کی عوام و خواص میں ہونی چاہئیں ان کے لئے کوشش کرنا گونٹ کے میں مقصد میں مدد دینا ہے اسی لئے گونٹ کے نزدیک امر نہایت محبوبا و پسندیدہ ہاں دل خابہ کے تعلقات کو البتہ ابھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جسکی بہت سی فراہم دایاں دشمنوں کیس مگر الحمد للہ کوئی بھی بات ثبوت کو نہ پہنچ سکی۔ اور نہ ان میں واقعیت کی جھلک تھی +

لوگوں گونٹ کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے تحریریں مانگیں اور خود حاصل کر کے مولوی ہادی حسن صاحب کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جسیں فلاں فلاں پتہ پر رکھے ہوئے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً دوڑا اور گارد مولوی ہادی حسن کے مکان پر ان کی غیبت میں پہنچی اور مکان کی تماشی لیکر صندوق کو دیکھا پھر ہر ترستہ کو توڑا مگر کچھ بھی نکلا اور نکلتا کیسے جبکہ کوئی شے ہو ہی نہیں تو کہا اس نکلے۔ مگر دشمنوں نے گونٹ کو دھوکا دینے میں کوئی ذرا کداشت نہ کی۔ ایسے اعمال سے غالباً اتنا تو نفع ضرور ہو گیا کہ گونٹ کو بھی کچھ بڑھ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کی مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں بلکہ شخصی اغراض پر ان کا مدار رہے +

اہل مدینہ منورہ کہ بذریعہ سائنڈینوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے وہاں آجاتے ہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے اور خطوط سے ملنا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اسلئے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی ان تاریخوں میں جن میں قافلہ کی آمد آتی تھی ایک بڑی جماعت اہل علم و فضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو پیر عہدہ تک جو کہ شہر پیادہ کے دروازہ باب العبرۃ تقریباً دو دو معانی میل ہے نکلا کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کر کے وہاں انتظار کرتی اور بالآخر جب لانا کو نہ پاتی شام کو لوٹ آتی چاکر اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا۔ چونکہ قافلہ سے مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہو کر گزرتا تھا میں چند منزلیں کے بعد متفرق ہو جاتا ہے جسکے اسباب مختلف ہیں اول تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹہرے تو سب اوقات کنوے کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر شہر بان مدینہ منورہ کے اطراف و جوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں وہ اپنے مکانات پر جانکی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گزرتے اور قریب کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے ایک دن وہیں ٹہرتے ہیں تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں ان کو مرغوب نہیں

مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولانا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہو رہا تھا بالآخر لاہر میں بروز دو شنبہ صبح کو قریب ۹ یا ۱۰ بجے مولانا بیرعدہ پر پہنچے استقبالہ جماعت جو کچھ لوگوں کو خبر ہوئی جو حق جماعت اہل علم و فضل کی تھی اور مولانا مرحوم و نیز مولانا خلیل احمد صاحب کی قدیم موسیقی مستفیض ہوئی ہر دو حضرات معجلہ رفقار ارقم الحروف کے مکان پر فز و کش ہو کر اہل شہر ائمہ و خطباء و رؤسا وغیرہ وغیرہ میں ہوم چمکی کہ ہندوستان کے آفتاب کے بارگاہ نبوت کی خاک روئی کا قصد کر کے عتبہ عالیہ پر جہیل کی کی ہی چنانچہ تمام دن لوگ قدیم موسیقی کے لئے آتے رہی اور شہر نشین میں جو کاسی اسطے منہن لگی تھی مشرف ہوتے رہی۔ تقریباً تین چار دن تک ہجوم زور و مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چل پھل رہی +

بالآخر مولانا کے رفقار کے سفر کا وقت آگیا۔ مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جلد رفقار و بجز مولانا عزیز گل تھا مولوی ہادی حسن تھا۔ و وحید احمد سیوانہ ہو گئے۔ جنہیں مولانا مرتضیٰ حسن تھا و مولوی سیاح صاحب۔ حاجی عبدالکریم صاحب۔ حاجی محبوب خان صاحب مولوی محمد سہول تھا وغیرہ حضرات تھے۔ ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقار بھی روانہ ہو گئے۔ غلط مولانا صاحب اہلیہ حاجی مقبول احمد تھا باقی رہ گئے۔ اس زمانہ میں طلباء و مدرسین مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات کے اصرار کیا کہ ہمراہ استفادہ کے لئے بعض کتابیں شروع کر دیجئے۔

علاوہ اسکے بہت سے علماء اور طلباء نے حسب قاعدہ اسلاف و اہل کتب حدیث شاکر اجازت بھی لی۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرادی۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلباء اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اس قدر مجمع ہوا تھا کہ مکان میں جگہ مشکل ملتی تھی۔ مولانا نے حلقہ مدرس حرم محرم میں انہی کس نفسی کی وجہ سے مناسب سمجھا بلکہ مکان ہی پر پڑھاتے تھے۔

دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اسی مزید اصرار کی بنا پر شروع کرادیا۔

چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اسلئے ہر گورنمنٹ اپنی یہاں جو ایس کی فکر میں زیادہ کرتی تھی ترکی پولیس کے انتہات۔ پولیس کو بھی اسکا خیال تھا جو لوگ انڈین کے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں گئے تھے ان کی خفیہ طور پر اس نے نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہ ظاہر ہوا ان سے معمولی طور پر نظر

تفتیش کی نوبت آئی اور پھر شہر لوگ نظر بند ہو کر سو ریا (شام) کو روانہ کر دے گئے اور وہاں سے بعد از تفتیش
ایٹھائے کو چاک غیرہ میں تاحتمام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جنگو سے فساد اور فسادانی خواہ
کے دنیا میں کوئی مقصد نہیں۔ نہ ان کو اسلامی ہمدردی ہر نہ حقانیت کی تلاش نہ ان کو خوفِ آخرت
ہے نہ پاس ملائمت اہل بصیرت۔ ان کے نمایاں کارنامے اس وقت بھی ظاہر و باہر ہیں۔ انہوں نے اپنے
پرائے جقد اور عداوت کا موقع پایا اور پولیس کمشنر فخری آفندی جلی تاک سائی پیدا کر کے اس کے کانوں کو
بھرا۔ کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی آئی ڈی ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں
ورنہ ایسے پُر آشوب زمانہ میں ان کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے کیا معنی۔ غرض کہ اس قسم کی بہت سی باتیں
خلافتِ واقعہ اسکو پہنچا کر بظن کر دیا اور پھر موقع پاکر عقاید کے متعلق (جو پُرانا رویہ اس طائفہ کا ہے) بھی شہر میں
کے اسکو آؤر بھی برائے گئے۔ اسلئے خوش اسلوبی سے اسے تصفیہ و خیالات کی کوشش کی گئی اور اس میں
ابتداء میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہو گئی تھی مگر شہر فی بات ہو کر رہتی ہے۔ مادہ جہد سے مولوی رضی الرحمن
کے اردو کے طویل طویل خط و خلاف قانون بنا واسطہ پوسٹ آفس آئے اور وہ بالا بالا پولیس کے ہاتھ لگ گئے
اور محض شہر ظن پر وغیرہ معلوم محضوں کیلئے بعض اکابر کا سنی فرمانا اور ان کی براہت کی کوشش کر لی مثلی
نسبت پولیس نے اپنے خیالات جاملے تھے پھر بعض بے عنوانیوں کی طور پر پولیس کمشنر اور اس کے ہوا خواہوں کے
خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر کے جنگی بنا پر اسے گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے
بظن کر دیا خود پولیس کمشنر بھی ایک طبعیت شخص تھا اسکو بھی رضائیوں کے سمجھائے بچھانے کی دیکھ کچھ بہت
ہو گئی اسنے دونوں سے اس کے کمرے میں بلا کر کچھ کچھ اظہارات لئے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دشمن)
جہاں پر کئی تحقیقات تھی بھیجے۔ اس زمانہ میں شام میں تو این مارشل لا جاری تھی جسکی بنا پر ہمیشہ خیال
تھا کہ دیکھ کر پردہ غیب کیا طور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدے دار اور بڑے بڑے رؤساء اور
علماء اور خطباء و ائمہ وغیرہ اگر حضرات کے معتقد اور جان شار ہوتے تو وہ کجنت ضرور دست و داری کرتے
مگر اس خوف نے اسکو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگا لے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کی طرف
سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جسکی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء و صلحا رشام کے مزاروں کی
حکایت کیونکہ اس وقت میں عربوں کی ترک و جان دوسری زبانوں میں بیچنا قانوناً منع کیا گیا تھا اور اسی طرح بیرون وسطہ دار کا نہ دوسری زبانوں

زیارت کے ہوا اور کیا ہو سکتی تھی مگر اُس نے اسکو بھی وجوہ اشتباہ قرار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احسان
 وغیرہ اُسکی اس سبک حرکتی اور شرارت سے سخت بیزار تھے مگر بوجہ زمانہ جنگ و جہاد قوانین مارشل لاؤنم میں
 مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے اور ٹھہارے کی واقع ہوئی ورنہ اُن کے تو پہلے سے محکمہ عرصہ ساز
 سے ہو چکے تھے۔ انہیں احوال میں یکبارگی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولٹو انور پاشا حضرت تلمری اور جناب
 دولٹو جمال پاشا حضرت تلمری وزیر بحریہ و قومانڈان فلیق رابع مع دیگر جرنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف
 لائے ہیں حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کی طرف متوجہ ہو گئے یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ افسر
 میں پولیس کی سہارا میں کھولی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مطلوب تھا
 جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی اُس میں دمشق کے نقیب الاشرف بھی تھے جو کہ ہاں کے سادات کے رئیس
 اور سر کی حکومت کے بہت بڑے معتقد تھے اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہِ ربیع الاول میں بحیثیت علمائے شام و سورہ مدینہ
 منورہ میں آچکے تھے اور بلواسطہ آفندی اسعد رضا خالیدی ان سے ملاقات دونوں حضرات کی ہوجا چکی تھی اور
 ان کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہو گئی تھی ان کو اُسوقت میں پولیس کی بعض
 شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی اسلئے اُنہوں نے اس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا سے مولانا کے تعارف کی
 کوشش کی اور مفتی احسان جناب ماموں آفندی بری شیخ علمائے مدینہ منورہ نے بھی اس طرف خاص توجہ کی
 چونکہ انکو جنگ کا انتظام سبب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی
 یعنی میدان سویمز، سینا، حجاز، یہ جمال پاشا کے متعلق اور اُن کی کمانداری
 میں تھا اسلئے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بقرورت دوسری جگہ
 کو کسی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانداری کرتے تھے۔ مگر انور پاشا مکرزی کی محافظت کرتے
 ہوئے ہرمیدان میں جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے اپنے آپکو پہنچاتے تھے اور جنگی احوال اور ضروریات کو ملاحظہ
 کرتے تھے۔ جب سورہ میں آئے اور سویمز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ
 دو جہان میلہ دنیا و آخرت حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مشرف ہو جائیں اسلئے بحیثیت
 جماعت عظیم روانہ ہوئے ایک خاص اسپتال میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دو بجے دن کے
 اسپتال مدینہ منورہ پہنچی چونکہ یہ ایک پہلا موقع تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر مع بہت جرنیلوں اور افسروں کے

انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا
 مدینہ منورہ میں آنا

آتے ہوں اسلئے بہت بڑا ہجوم آئیشن پر تھا اور ہر طالبِ نہایت نظام سے استقبال اور سلامی کیلئے وہاں موجود تھا۔ حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر نے جو جو انتظامات اپنی عقیدتِ اخلاص و محبت کیلئے کئے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے۔ جس وقت گاڑی آئیشن پر پہنچی تو حدودِ آئیشن اندر اور باہر لوگوں سے ہرا ہوا تھا ہر ایک کی آنکھیں زور پاشا کے دیکھنے کو اٹھیں مگر ایسے ہجوم میں کھینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ و دوجہان کی بارگاہ میں حاضری ہر غلام بن کر جانا چاہیئے اُتارے تھے نہایت سادہ اور اُس لباس میں تھے جس میں ایک معمولی سپاہی رہتا ہی۔ البتہ جمال پاشا کے لباس پر بعض نشانات و علاماتِ افسری نمایاں تھے۔ رئیسِ جس وقت دونوں وزیر معہ ہر اہیوں کے اترے تو آئیشن کی بڑی ہال میں مینوسپلی (بلدیہ) کی طرف سے ہمارے کی دعوت پیش کی گئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کی طرف سے پیش کیا گیا جبکہ اہل شہر کی وہ مسرت و طرف ثانی سے عمل میں آیا۔ چونکہ جمعہ کا دن تھا اسلئے مسجد نبوی میں پہنچنے کی تعمیل کی گئی۔ آئیشن کے دروازہ پر نیشن وغیرہ سواریاں موجود تھیں۔ گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری کر نیکے لئے آرزو ظاہر کی مگر انور پاشا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہِ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے۔ اہل شہر نے عجب طرح جلوس نکالا جو کہ قابلِ دید تھا۔ جتنے اہل تصوف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ سوانحِ مریدوں اور تہذیبِ جہندوں کے آگے آگے فکر کرتے ہوئے اشعارِ مدحیہ اور دعائیں پڑھتے ہوئے جاتے تھے جلوس بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہونگی اسکے بعد حرمِ محترم نبوی کے مختلف خدام کی جماعتیں تھیں۔ ہونہوں کی جماعت جو کہ تقریباً ڈیڑھ تو یا زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاردب کشوں کی علیحدہ آٹھوں کی علیحدہ خطیبوں کی علیحدہ حجرہ مطہرہ نبویہ کے خاص خدام خواجہ سراؤں کی علیحدہ۔ یہ سب سب درجہ بدرجہ کے بعد دیگرے حمد و صلوة دعا و ثناء پڑھتے ہوئے اپنے اپنے رسمی لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے بعد دونوں وزیر برابر چل رہے تھے ان کے پیچھے ان کے نفاذ اور دیگر حکام تھے ان کے بعد اہل شہر۔ دائیں بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامانِ کلکل تھے اور دونوں طرف قطار باندھے ہوئے خزانوں خزانوں چل رہے تھے ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں درجہ اور مکانوں پر خلعت کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ

کی نظریں کبھی کبھی دایں اور بائیں بھی پڑ جاتی تھیں مگر انور پاشا کی آنکھ زمین سے لگی ہوئی تھی۔ نہایت ادب اور احترام سے جا رہی تھے، جیسے کہ ایک شہنشاہ والا تبار کے سامنے کھڑے ہوں سی طرح یہ مجمع بالسلامت تک پہنچا باب السلام سے جبے سے تہہ حرم نبوی میں داخل ہوئے ہیں اور مزدور نے دمکا دخول پڑھانی شروع کی ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیوں میں بہا رہی تھیں اسی طرح گریہ کنٹاں بادشاہ دو جہاں کے سامنے دونوں فریہ ستادہ ہوئے اور حسب ادب شریعت بتلقین جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلوٰۃ و سلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم | پادشاہان روم اور خلفائے ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہی ہمیشہ دونوں حرم محترم کا اپنے آپ کو خادم سمجھتے رہی اور اسی لفظ کو اپنے لئے باعث نجات تصور کرتے ہوئے خطبہ میں بھی اہل کیا گیا۔ یہی نہیں کہ لفظ زبان جمیع خراج تھا دو روز کے بعد جاتا رہا۔ یا عمل میں لایا گیا۔ بلکہ افراد تک یہ عمل جاری رہا۔ اسی بنا پر ہزاروں پونڈ ماہوار خالص خزانہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقاموں میں صرف ہوتا تھا۔ یہاں باشندہ گورنمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خرچ یا عشر یا مال گذاری نہیں دیتے تھے، البتہ کچھ فی اونٹ شربانوں سے لیا جاتا تھا اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو کہ فی صدی دس تک انہیں میں کچھ زیادتی بھی ہو گئی تھی۔ مکانوں یا باغوں یا مزارع وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ تھا بلکہ لئے ہزاروں باشندہ مختلف عنوانوں سے تنخواہیں اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصد اصلی اہل حرمین شریفین کی پرورش تھی، مجموعہ طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریفین کا خرچ گورنمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا۔ فقط حرم محترم مدینہ کے آمد و سو سے زائد تھے۔ موزوں کی تعداد تو سے زیادہ تھی، بھار دینے والے ساتھ سے زیادہ خطبہ پڑھنے والے پچپن سے زیادہ تھے۔ خواجہ سرالین آغاوات خادین روضہ مسطرہ ساتھ ستر آدمی تھے جنکی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ تین پونڈ ماہوار تھی یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی اسکے علاوہ اور بھی طریقے ان کو عطا کرنے کے بہت تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر اہل مدینہ خصوصاً بعض اہل علم عموماً (دولت علیہ) گورنمنٹ ترکی کی پرورش سے جیتے تھے،

شاہان روم نے روزانہ خدمت روضہ اقدس کے لئے اور علیٰ ہذا القیاس خدمت بیت الشریعہ کے لئے ایک خاص شخص مقرر کر رکھا تھا جسکے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی فنیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمت جا رو بہ کشی اور روشنی قندیل خادمان لباس ہینک سلطان کی طرف سے اولاً یہ ادا کیا کریں۔ شیخ الحرم

استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا تھا اسکی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد اسپر لازم تھا کہ حجرہ شریف یعنی روضہ مطہرہ کی جارد کشی کیلئے انھما معتین لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر سلطان اور اپنی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کر کے دما کرتا اور پھر جارد کشی کرتا۔ اور اسی طرح شام کے وقت مغرب کے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قد ملیں خدام کے ساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اسکا سلطان کا قایم مقامی میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ با علم نہایت مجتہد اور پرہیزگار شخص تھے۔ مولانا سے بھی اُن کو خاص تعلق تھا۔ تصوف کی طرف انکی طبیعت مائل تھی۔

روضہ مسجد

انور پاشا زیارت کر نیکی کے بعد روضہ شریف میں جا بیٹھے۔ مسجد شریف کا وہ حصہ جو کہ منبر اور حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اسکو روضہ یا ریاض الحجۃ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب مولانا علی المرتضیٰ سلم نے فرمایا کہ ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الحجۃ۔ (میرے حجرے اور منبر کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث اس کے فضائل میں بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی، خطبہ اور نماز کو حسبِ مولانا ادا کیا گیا، پھر دونوں زیرِ معہ ہر ایک کے جائے استراحت پر تشریف لیگے۔ بیرون باب المجیدی سید مدنی کا ہوٹل (دارالسرور) اُن کے قیام کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ مینو سیلی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورد و نوش وغیرہ کا تھا۔ الغرض ہاں جا کر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی۔ عصر کی وقت نماز کے لئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ شام کے وقت حجرہ مطہرہ میں خادمان لباس پہن کر قیدیل رو کر نیکی لئے بھی داخل ہوئے۔ پھر نماز مغرب کی باجماعت ادا کر کے قیام گاہ پر تشریف لیگے، چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کی طرف سے بغنی تھی جسکا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسلئے جناب نقیہ الشراف صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا کی مجال پاشا سے ملاقات ہو جاتی تو میں ایک اچھا موقع پولیس کے خطرہ کے دفعہ کرنے کا پاتا۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ قیام گاہ پر بعد از مغرب نوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کر دوں گا۔ مگر بہ قسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہو چکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پٹر تھا اسلئے ہم کو داخل ہونا ممکن نہ ہوا اور نہ کسی سے ملاقات ہو سکی۔

مقام بہتہ ننوہ نے سخت پہرہ اسلئے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخباریں و نوں نرا دتک پہنچا میں

جسکی وجہ اُن کی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اہل عاصی کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا مفتی مدنیہ منورہ اور شیخ العلماء یعنی مفتی ماموں بری حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم مغفور کے شاگرد تھے اُن کو سہارا کا برسے خاص تعلق تھا وہ بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان حضرات کی عزت پر کوئی دہیہ آئے اور کسی قسم کی تحلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آئے۔ اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اسقدر فکر نہ تھا۔ مگر زمانہ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا اہل کشمیر کا زور نہایت کمزوری پر تھا اسلئے زیادہ فکر تھی۔

ہر دو حضرات کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

شب کو انور پاشا نے اُن کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علماء شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی تقریریں سنائیں۔ چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہو کہ ہر ایک کے حلقہ درس میں جا کر تقریریں سنوں اسلئے اُس ایک مجلس میں مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ علی الصبح مفتی صاحب نے کتاب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لادیں تاکہ محب کو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آوے اور پھر میں مناسبت پاکر صفائی کر دوں گا۔ چنانچہ ہر دو حضرات تشریف لائے صبح اول میں مفتی صاحب موصوفین بیچ میں بیٹھے اُن کے بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے اُن کے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب اُن کے بائیں کتاب الحروف تھا اور اسی طرح اور دوسرے علماء تھے۔ مفتی صاحب کے دائیں بھی بہت سے علماء تھے۔ شیخ الحرم متا خاص طور سے منتظم تھے۔ انہوں نے ہر دو حضرات سے خواہش کی کہ اگر دونوں وزراء میں سے کوئی صاحب اپنے تقریر کی خواہش کریں تو آپ انکار فرمائیں۔ جبکہ مجمع پورا ہو گیا اور وہاں وزراء تشریف لے آئے تو اولاً انہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی انہوں نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اُس کے بعد انور پاشا نے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے مولانا خلیل احمد سے درخواست کی۔ مگر دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کر سکتے۔ اُس کے بعد کتاب الحروف کی طرف اشارہ ہوا۔ میں نے حسبِ لیاقت ایک عرصہ تک عربی میں تقریر کی اُس کے بعد دوسرے علماء نے تقریریں کیں اختتامِ جلسہ مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اُسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کر لیا آپس میں مصافحہ ہوا اور مزاج پُرسی کی نوبت آئی اس سے زیادہ نہ دیاں موقع تھا اور وقت تھا۔ مجمع بہت ہی زیادہ تھا ہر دو وزراء اُسی وقت اُٹھے اور اپنے قیام گاہ پر چلے گئے اور کھانا کھا

ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر اس تعارف کی وجہ سے مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع مل گیا کہ انہوں کو کھانا کھاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کر دیا کہ پولیس ایسے مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہو۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے۔ یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں ان پر پابندی کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ شام پہنچ کر جمال پاشا نے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحارب کے رعایا کیسا ہتہ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس حکم کے آنیکے بعد پولیس کی تمام کارروائیاں بیکار ہو گئیں اور اسکے ہاتھ پر پلٹ گئے۔

ترکی گورنمنٹ کی
دریادلی

انور پاشا نے اہل مدینہ اور خادین حرم نبوی اور علماء وغیرہ کیلئے پانچ ہزار پونڈ دے جو کہ تقسیم کئے گئے۔ بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ جسکی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے تھی جسکے رئیس شیخ الحرم تھے۔ چنانچہ انہوں کو پانچ پانچ پونڈ ان دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحرم کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے ان کے لینے سے انکار کیا اور ظاہر کیا کہ ہم مستغنی ہیں بلکہ ضرورت نہیں مگر ادھر سے کہا گیا کہ شاید ہی ہر شخص نہیں سئلے دونوں حضرات نے قبول فرما کر کتب الحرم کو دیدے۔ جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھ کر بارہ سو گاڑیاں گھوس بھری ہوئی مدینہ منورہ کے اہالی تقسیم کرنے کے لئے بھجوائیں مگر قبضہ سے اسکے تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا جو کہ ان دونوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔ اسلئے اس میں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا خود ان کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچ ارگنی کیمعظہ بھی وہاں کے لوگوں کے لئے بھیجیں جنکو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضغفاء و فقرا مساکین پر تقسیم فرماتے تھے۔ حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا رعایا کو دینا تو درکنار ان سے لوٹ کسوت کر حنیہ کے نام سے قرض کے نام سے ٹیکروں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا۔ مگر ترکی گورنمنٹ فقر اکا پیٹ بھر ہی تھی۔

یہی وہ ملاقات ہے جسکی نسبت اصحاب غرض نے گورنمنٹ کے کانوں تک خبر پہنچائی کہ مولانا مولانا کی نسبت افواہ
تو جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہد بنا

اور وثائق محل کے گزرفوس ہوا ایسی دنگوئی اور افزاپدازی پر کیونکر جرات کی گئی۔ دونوں زبردستی
مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۴۴ گھنٹہ کے قریب تھی جس میں اُن کو ہزاروں کام پیش تھے۔ اُن کے ہاں
ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہر وقت تھا، اُن کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ شہر کے بڑے بڑے علماء اور
اُنکے پاس بچھلک نہیں سکتے تھے۔ بدیسی اور وہ بھی مولانا مرحوم جیسے زابداہل دنیا سے نفرت کرنے والے کہاں
وہاں تک پہنچ سکتے تھے اور پھر وثائق اور ہمدانوں کا لکھنا اور مقرر کرنا شرم کا لیا کرنا کیسے ہو سکتا تھا۔
مگر جب کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اسکا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا تھا۔ کیونکہ گورنمنٹ
کو لوگوں نے یہ بھی کیا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاذبات جو انور پاشا سے حاصل کئے ہیں ایک صندوق میں اُسکے
تحتوں میں سوراخ کر کے رکھ دیاتے اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھ دے ہیں جسکو مولوی
بادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جہاز سے لائے ہیں اور یہی سے اپنے اسباب کے ہمراہ مکان پر بھیج دیا ہے۔ بھاری مولوی
بادی حسن صاحب اُنوقت تک بیٹنی تال ہی میں تھے کہ اُن کے مکان پر دوڑ گئی اور اُس صندوق کو توڑ کر تھمتہ
پارچہ پارچہ کر دیا گیا۔ مگر کچھ نہ نکلا۔ اسلئے گورنمنٹ کو بھی نا اہل یقین ہو گیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط
افواہ ہیں +

ابن واقعہ کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانیوالا ہے اُسکے پاس
وہاں کا قصد کیا جاوے۔ اُن دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تھی کہ ایک گھوٹ ہندوستان
مختلف سامان خصوصاً چاول لیکر نکلا ہے، اور غنقریب جہدہ پہنچنے والا ہے۔ چونکہ اُن
چند ماہ میں یعنی صرف سے جاویں اشانی تک کوئی آگہوٹ غلہ کا ہندوستان سے جہدہ نہ پہنچا تھا۔ اور ہندوستان
آگہوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے۔ بجز احرار بال بند تھا فقط اتحادیوں کے آگہوٹ آسے آتے جاتے تھے اسلئے عربک
بندوں پر جلا اشیا تجارت کا آئنا بند ہو گیا تھا۔ بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اورافر قریب کے بندروں
چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہنچاتی تھیں۔ مگر انگریزی جہازوں نے اُن کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا
کشتیوں کا غرق کر دینا۔ قید کر کے بیچنا وغیرہ منظم اس قدر برسر آئے کہ اُن کی بھی آمدورفت بالکل بند ہو گئی
اسلئے تمام جہازیں سخت گرانی پھیل گئی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں چونکہ ریل کی وجہ سے شام
متصل تھا اسلئے گھوٹوں آئے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی۔ مگر شکر چارچاول وغیرہ اشیا یہاں بھی سخت

مولانا کی مدینہ منورہ پر
روائی

گراں ہو گئی تھیں۔

اُس قافلہ میں جانا اسلئے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا زمانہ قریب ہے۔ مکہ معظمہ میں رمضان کیا تھا تو بہتر ہوگا علاوہ انہیں مکہ معظمہ میں پولیس کی اس قدر سختی بھی نہ تھی۔ اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولیس کمشنر ایک قسم کی پر خاش رکھنے لگا تھا اسلئے اُس سے دور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا۔ پھر ہندو جانیکے لئے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کی بارہویں یا تیرہویں کو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیز گل حجازی، وحید احمد اور کاتب الحرمین حسین احمد و نسی محمد بن حسین صاحب فیض آبادی تھے۔ نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب مولانی المیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے معہ حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدر آباد سندھ روانہ ہو کر جدہ آپہنچے تھے مگر اتفاق سے اُن کو کوئی آگہوٹ ہندوستان جانے والا ملا تھا اسلئے دونوں صاحب مکہ معظمہ ہی میں آگئے تھے باس خیال کہ جب آگہوٹ آجایگا اس وقت روانہ ہوں گے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ معظمہ میں برابر پہنچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ خیر ماہ جمادی الثانیہ میں پہنچا اور قریب باب العمرہ ایک مکان کرایہ پر لیکر قیام کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب متعلقین باب براہیم کے پاس قاری عبد الحق صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے اُس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی۔ ادھر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوشتر تھا ہی۔ وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ مزارات بھی ہیں جنکی زیارت کی غرض سے اکثر لوگ ہاں جایا کرتے ہیں۔ اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں آسکتے طائف ہی میں چلے جاتے ہیں۔ مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں اور کچھ دنوں ٹھہر کر نصف شعبان پہلے مکہ معظمہ کو واپس چلے آئیں گے چنانچہ بمبیت سید امین باجم صاحب آمد و رفت کا شکر کرایہ کر کے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ کو روانہ ہو کر ۲۳ ربیع الثانی ۲۴ ربیع کو طائف پہنچے۔ شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے۔ جبکہ انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید امین عاصم صاحب معاہدے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط تین آدمی تھے۔ مولوی عزیز گل حجازی و وحید احمد اور

طائف

طائف حقیقتاً ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اسکا اطلاق بہت بڑے حصہ پر کیا جاتا ہے جس میں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں۔ یہ قطعہ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے اونٹوں کے راستہ سے تین دن میں یہاں پہنچتے ہیں کیونکہ چکر زیادہ ہے اور چڑھائی باسانی طے ہوتی ہے اور جبل کردہ کے راستہ سے جس میں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۳ گھنٹہ بلکہ اس سے کم میں آدمی پہنچ جاتا ہے مگر آہستہ و مشورہ گزار ضرور ہے۔ آدھے رستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہے۔ جبکہ مکہ معظمہ میں سخت گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا ہو طائف میں تپلی بھائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں کا موسم گرمیوں میں نہایت عمدہ رہتا ہے۔ جابجا باغات ہیں۔ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ انگور، انجیر، برشومی (نارنگ پھل) انار، آرو، آلوچی، وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں زراعت اور مینری ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے جابجا باغات بھی ہیں۔ کنویں میٹھے بکثرت ہیں، بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ حجاز کیلئے طائف بہت لائق شغل کے مانند ہے۔ ترکی گورنر اکثر گرمیوں کے زمانہ میں طائف میں رہا کرتا تھا۔ اور بڑے درجہ کے محکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے۔

فستہ حجاز

جب ہم مکہ معظمہ میں پہنچے تو عجیب عجیب انجائیں مشہور تھیں عام بدوؤں اور اہل شہر کی زبانی سنا جاتا تھا کہ عنقریب بد علی ہونیوالی ہے۔ شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت کرنیوالا ہے مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا۔ ترکی فوج تمام حجاز میں غالباً چار پانچزار ہوگی۔ کیونکہ اکثر فوج دوسرے مقامات جنگ پر چلی گئی تھی بشریف نے باب عالی کو اطمینان دلایا کہ حجاز کا ذمہ اریں ہوں یہاں زیادہ قوت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں ضرورت جنگ پر اپنی قوت پہنچاؤ۔ یہ موجودہ فوج بھی جلد مکہ طائف پر منقسم تھی۔ یہو بھی اسوقت کہا گیا کہ جلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہیے مبادا بد علی ہو جائے مگر یہ یقین کاہل نہ ہوا۔ اُسی زمانہ میں یہ بھی خبر مشہور ہوئی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کوئی خط شریف کے نام آیا تھا کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکال دو ورنہ ہم شریف علی کو لہجہ کہ پہلے شریف حجاز تھا اور شریف یمن موجودہ کا بنوئی ہے اور اسوقت مصر میں مقیم تھا) اسکو حجاز کا شریف بنا کر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہاں تک صحیح تھی) جلد میں ہمیشہ جنگی آگہوٹ آئے اور بندریں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہو جاتے تھے

اور کمرے رہ کر چلے جاتے تھے۔ نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے نہ ترکی حکومت پر

ہم اس سال میں ان واقعات کو دیکھنا نہیں چاہتے جو اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے کیونکہ اس کے لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہو تو مستقل رسالہ لکھیں گے۔ اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفر لکھنا ہی ہموطائف ہنچکر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ہاتھ نہ آیا تھا کہ شربان آیا اور کہا کہ اگر چلے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤں گا مطوف صاحب ہم لوگوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جاوے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جانا چاہیے۔ اتفاق وقت سے اس وقت طائف میں میوے بہت کم تھے شہوت اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا البتہ شہر خوب تازہ تھا۔ دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ کو چلنا چاہیے مگر شربان جا چکا تھا۔ ایک دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہو گیا ہے۔ ہم اس وقت اس ملا کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اس قدر تقاضا کیا جا رہا ہے مگر دوسری تین دن کے بعد معلوم ہو گیا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے خلافت عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہی جنکو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا۔ مگر چونکہ ضبط اور احتیاط کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ ادھر مقام رضائیں قدم راسخ تھا اسلئے چند مرتبہ ظاہری تقاضا کرنے کے بعد چپ بخت اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے اسلئے جو لوگ باہر باغوں میں مقیم ہیں ان کو شہر پہاڑ میں چلے جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے مطوف سید امین عالم صاحب بھی ہوا اپنے اہل و عیال شہر میں سید علی حبشی کے مکان پر چلے گئے اور ہمارے لئے بھی وہاں ہی ایک کوٹھڑی لے دی۔ تمام شہر میں اس وقت عجیب ٹپل تھی۔ ۹ شعبان روز شنبہ کو ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے۔ ترکی افروز کو بھی یہ بات محسوس ہو گئی انہوں نے شہر کے ارد گرد حسب قواعد جنگ مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں کو مورچہ کیلئے مناسب جانا ان کو خالی کر لیا گیا۔ رہویش شعبان ۱۲ ہجری کی شب کو عجب صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوجوں کی چڑھائی کی جو کہ زیر کمانداری عبداللہ بیگ کام کر رہی تھیں۔ صبح صادق کے وقت ہم سب محبت حضرت مولانا مرحوم صبح کی نماز کیلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد میں جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک بدوق کی آواز سنائی دی۔ پھر تو چاروں طرف سے بدوقیں چلنے لگیں۔ ترکی فوج جس نے چاروں طرف حسب عہد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دہ تھی۔ اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایک ہزار مسلح سپاہی کے بھی قیام

لوگ مسلح نہ تھے مگر چونکہ منتظم جماعت تھی اُسے بدوی فوجوں کو بہت زیادہ اور قوی نقصان پہنچایا۔ بدویوں کی
 مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اس دودن پہلے مکہ معظمہ جہہ تیغ مدینہ منورہ میں ہی واقعہ پیش
 آچکا تھا۔ کیونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی دن میں سب جگہ یہ کام ہو۔ اس جنگ کی وجہ سے
 جو لوگ طائف میں غلا اور ترکاری میوہ وغیرہ لاتے تھے اُن کا آنا بند ہو گیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند
 ہو گیا۔ ادھر فوجی حکام کو رسد کی فکر ہوئی۔ حسب قواعد جنگ انہوں نے تاجروں سے موجودہ غلہ کی نصف مقدار
 یعنی شروع کی۔ جس نے خوشی سے دیدیا اُسکی مقدار میں سے نصف لیلیا اور نصف چھوڑ دیا اور لے ہوئے
 نصف کی قیمت اسوقت کے حساب سے لگا کر اُسکو رسید دیدی کہ حکومت ترکی بعد از جنگ یہ مقدار تجھ کو ادا کرے گی
 البتہ جن لوگوں نے چھپایا اُس پر شدت کی گئی اور تمام مال تجارت اُن کا خور و نوش اور ضروریات فوجی کی قسم کا لیلیا
 گیا۔ فقط بمقدار اُن کے اہل و عیال کی ضرورت کے اُنکو دیدیا گیا۔ ادھر تو شہر میں غلہ کی کمی اُدھر آمد بالکل
 بند ہو گیا اسوجہ سے شہر میں سخت گرانی ہو گئی۔ پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کر دیا اسوجہ سے پانی
 کی سخت تکلیف ہوئی۔ اگر قتلہ (فوجی قیامگاہ) کا گنواں نہ ہوتا تو نہایت زیادہ اسکا مال کا سامنا ہوتا۔ اگرچہ
 شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی اور اُسکے پاس نئی اور عمدہ انگریزی ریفلیں بھی تھیں اور سامان جنگ بہت
 کثرت سے تھا مگر باوجود سبب بسیار اُن کو کامیابی نہیں ہوئی جب انہوں نے هجوم کیا مائے کی کھائی۔ دن رات
 برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں۔ ترکی فوج اُن کے مجھوں پر توپوں سے گولے بھی برساتا تھی نصف رمضان تک
 یہی حالت رہی اُسکے بعد وہ مصری فوجیں جو جہہ میں اُسکے لے لینے کے بعد اتاری گئی تھیں اور جنہوں نے مکہ معظمہ
 قلعہ اور قتلہ کو توپوں کے ذریعہ سے فتح کیا تھا۔ طائف میں معر توپوں کے پہنچیں جو طائف کے چاروں طرف سے
 توپیں سات یا آٹھ نصب کر کے قلعہ اور قتلہ پر گولہ باری کرنے لگیں۔ صبح سے تقریباً بارہ بجے تک عمل ہوتا رہا
 اُسکے بعد توپیں ٹھیکر جاتی تھیں۔ ترک بھی اُن کا جوابے تھو تھے۔ یہی حال عید مبارک تک رہا۔ افسوس کہ عید کے
 دن بھی شریف کے لوگوں نے جنگ کو موقوف نہ کیا۔

چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا اسلئے نہ تو دن کو
 نہ رات کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا۔ نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام
 حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباس وہاں کی بڑی مسجد جو اُس میں بھی تراویح ائمہ کے

مولانا کا رمضان
 طائف میں

ہوتی تھیں۔ اور اُس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے۔ باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانات میں پڑھتے تھے کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گذرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اولاً مسجد ابن عباس میں حسبِ وقت سابقہ ترافیع پڑھنی شروع کی مگر چونکہ سستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں اسلئے اُس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا۔ اور پھر ایک شب میں یہ افسوس پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدلوں نے ہجوم کیا۔ مسجد ابن عباس کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا سستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچے بھی تھا۔ غرض کہ طہن میں خوب تیز گولی اور گولوں کی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں، جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونہ میں جمع ہو گئے۔ اُس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمیوں نے بوقت نماز عشاء فرض عشا ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا اچلے گئے۔ اُس کے بعد احباب اور خصوصاً سیدین عام صاحب امر اکیا کہ آپ مسجد ابن عباس میں نماز کیلئے نہ جایا کریں؟ رفاہہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اُس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقات خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے۔ اُس سال ترافیع فقط الم ترکیف پڑھی گئی۔ اُس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ مولوی عزیز گل صفنا اور کاتب الحرم بھی اُسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گذارتے۔ چونکہ گرمیوں کی رات تھی جلد ترسحر کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھر اگر کچھ سحری پکاتے جو کچھ میٹھے چانول ہوتے تھے۔ مگر چونکہ شکر دہاں ملتی نہ تھی اسلئے شہد کو بجائے شکر چانول اور چار میں استعمال کرتے اور اکثر تو نمکین چانول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا۔ اس وقت طائف میں چانول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل تھا ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنہ کو شکل ملتی تھی۔ مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے چانول مولانا مرحوم کے لئے ہدیہ بلا طلب بھیج دیئے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے۔ انہوں نے بہت کام دیا۔ اس مدت میں جو کہ تقریباً دو ماہ تھی ہم نے دس بار ہشہر فی طائف میں بوجہ خیرت گرانی کھا ڈالی +

عید کے بعد تمام اہل شہر چونکہ بھوک سے مرنے لگے تھے حکام کے پاس جا کر شکایت کی کلاب طائف سے وائی ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا ہمارے پاس جتنے بیولونات دودھ یا سواری کے تھے کھا ڈالے غایہ سب ختم ہو گیا۔ اب ہمارے لئے کوئی صورت کیجئے ہم سب مرے جاتے ہیں۔ انہوں نے

لہا کہ اچھا صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک باب بن عباس سے روانگی کے لئے ہم کو اجازت دینگے۔ ہم
 بنی حدیس تک کوئی نقصان نہیں پہونچائیں گے باقی شریف کے آدمی تکو نقصان پہنچائیں تو اُسکے ہم درمیں
 الحاصل اسطرح لوگوں کو ایک فارم معائنہ کے اہل عیال کے نام کے دیا جاتا تھا اور ان سے عہد لیا جاتا
 تھا کہ وہ کیسے اگر ترکی حکومت سے جنگ کرینگے پھر ان کو معائنہ کے ضروری سبب کے باہر نکلنے دیا جاتا تھا۔
 باب اسطرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھو کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں۔ چنانچہ شوال ۱۲۳۸ء کو
 وقت صبح ہم بھی باب بن عباس سے نکلے اور وہاں سے چل کر پھرتے ہوئے (قیم) میں پہنچے۔ یہ مقام ہے
 ہمایون شریف کا بیٹا عبدالشہید جو کہ کمانڈر بدوؤں کا تھا مقیم تھا۔ اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا
 ہمیں مصری فوج کے غنیمت بھی تھے۔ چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی اور نہ نقد وغیرہ، اور راستہ دور تھا۔ اور حضرت
 مولانا رحیم اللہ علیہ نہایت ضعیف تھے تین دن تک پہاڑی راستہ کو قطع کرنا آسان نہ تھا۔ علاوہ ازیں سبب
 بھی تھا اسلئے وہاں جانا ضرور ہوا۔ عبدالشہید سے ملاقات ہوئی۔ اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ ایک چشم
 لکڑے کو نیکاً حکم کیا۔ ایک نیرنج کر کے دعوت پیش کی (عرب میں عادت ہے کہ معزز ہمان کی دعوت میں مجب
 و ج کرنا ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ کابل کرام ہمان کا شمار نہیں ہوتا) اور پھر انچر وغیرہ یہود جات
 بھیجے اور ایک شرفی زندگی۔ اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو علی الصباح تم کو روانہ کر دیا جائیگا۔ علی الصباح کو اپنی
 پر چلا گیا۔ اُسکے لوگوں نے خالی پشت شتر کا انتظام کر دیا کہ راہ بھی خود دیا اور زاد راہ بھی۔ اس طرح وہاں سے
 روانہ ہو کر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہنچے۔ عمرہ کا احرام تھا۔ افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد معلوم
 ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گزرتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب متعلقین پور مولوی محمدی حسن تھا اور حاجی شمس
 صاحب جدہ تشریف لیگے ہیں۔ کیونکہ جدہ میں ہندوستان جا نہیں لایا جہاز انیولا ہے۔ اسلئے ہندوستان کا
 قصد ہو۔ بیان کے احوال دیکھ کر مولانا صاحب گھبرائے ہیں اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کتنے
 آسکیں گے۔ چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ سے تعلقات نہایت قوی اور گہرے
 تھے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات نہ ہو۔ نیز جدہ میں آورد و سکر
 کاروبار بھی تھے۔ ایک یا دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر جدہ کے قریب پہنچے۔ وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
 رامپور کی رباط میں اوپر کے طبقہ میں فرودکش تھے۔ اُسی کے وسطانی طبقہ میں ہم سبھوں نے بھی قیام کیا۔

چونکہ جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اسلئے تقریباً پندرہ بیس دن باں قیام کرنا پڑا۔ جب جہاز آگیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اہلہ صاحبہ حاجی مقبول احمد صاحبہ مولوی ہادی حسن صاحبہ حاجی شاہ بخش صاحبہ اور ان کو بہانہ تک پہنچانے کے لئے مولانا رحمتہ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے۔

الحاصل اُس کے بعد پھر جہدہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس پہلے آئے۔ حج کا زمانہ تقریباً۔ حجاج کی آمد ہو رہی تھی۔ کاتب الحرمین پر بعض جناب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں۔ چنانچہ ان کو شروع کر دیا۔ اوائل ماہ ذی الحجہ مولوی مسعود احمد صاحبہ بھاجہ دوا باد خور و حضرت مولانا مرحوم اور مولوی دینی احمد صاحبہ مدرس مدرسہ پورہ فضلہ مولانا اور دیگر حجاج تشریف لائے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑی ہیں۔ گورنمنٹ تک اس قدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہر آگوش کی تفتیش بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ آگوش کے پہنچنے ہی پولیس کسٹرن اور متعدد عہددار آگوش پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحبہ بھی مجبور پہنچنے کے معہ ہمراہیوں کے زیر جرارت لے لئے گئے اور سیکنڈ ٹی ٹال بھیج دئے گئے حاجی شاہ بخش صاحبہ اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدر آباد پہنچ کر وہ بھی زیر جرارت لے لئے گئے۔ اسلئے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہوا بھی ہندوستان پہنچنے کا قصد نہ کریں۔ حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ حیدر آباد میں حج سر پر آگئے ہیں تو ایسی مبارک نعمت کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ مگر ہاں اگر معلوم ہو جاتا کہ گورنمنٹ کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پرغاش اور بدظنی نہیں ہو تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہو جاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ آگئے اور تمام امور حج سے بیکار شدہ فرغت کا ملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں یہ بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی کہ جناب حکیم عبدالرزاق صاحبہ بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحبہ ایک ہزار روپیہ مولانا مرحوم کے پاس اخراجات حج زکیۃ روانہ فرمایا۔ کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہو چکا تھا اور بایقمانہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی۔

مولوی مسعود احمد صاحبہ | مگر چونکہ مولوی مسعود احمد کی روایتی یکبارگی بلا شہرت ہوئی علیٰ ہذا القیاس ان کا

دُنیا پہنچا بھی بہاؤ کی روانگی کے وقت ہوا جبکہ اصل سبب ثابا یہ تھا کہ حکیم صاحب و صوف کو یہ خیال تھا
 اخیر میں ہوا۔ وہ ان روزوں کو تاجروں کے ذریعہ سے بھی بھیج سکتے تھے مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر
 کہ اگر مولوی مسعود احمد جائیں گے تو گھر کے سب لوگوں کے احوال بیان کر دینگے اور مولانا کو اپنے جملہ ازار
 کی طرف سے مطمئن کر دینگے ان کے واسطے سے بھیجنا ضروری سمجھا اور ان کے اس وقت کہا جبکہ بہاؤ کی روانگی
 سہرہ پر پہنچی تھی۔ یہی تار دیکر گھر کی غیر کا انتظام کر دیا۔ غرض کہ انکی اور انگوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ
 کو خبر پہنچی۔ اسلئے گورنمنٹ کو شبہ دلایا گیا کہ اس طرح روانہ ہونا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی چیز
 ان کے ہمراہ ہے چنانچہ جو وقت انگوٹ عدن پہنچا پولیس انکی تفتیش کیلئے سہرہ پہنچی۔ مگر وہاں کیا تھا
 تمام سبب تفتیش کیا ہر چیز کو دیکھا کوئی مشتبہ چیز باقی نہ آئی۔ آخر کار اپنا سامانہ لیکر چھوڑ دیا۔ مگر اسپر بھی گور
 کو بار فرمایا۔ ایک شخص سی آئی ڈی کو انبیکر مسمی بہاؤ الدین جدہ بھیجا گیا جو کہ بعدہ ظاہر یہ محافظ
 احتجاج کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا۔ اور غالباً وہ مولانا مرحوم کے نقل و حرکت کی تفتیش کی غرض سے
 وہاں مامور ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اہل ہجرت و اندیز سے بعض احباب و تلامذہ نے بھی مولانا کو ہجرت میں
 ایک ہزار روپے سال کیا جو کہ بذریعہ تجارت تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد ملے اور مولانا احتجاج واپس ہو گئے
 کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اس سال بند تھا مولوی مسعود احمد صاحب جب بہاؤ پر واپس ہو گئے تو بہاؤ الدین نے
 ان کی تلاشی انگوٹ پر لی مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی۔ مگر پھر بھی یہی پہنچتے ہی برسرِ حراست کر لئے گئے
 اور پھر ان کو آلہ آبد چیل میں پہنچایا گیا۔ اور اس قدر سختی کی گئی کہ بیچارے نے بھوٹی بھوٹی باتیں بنا کر چاچھو
 ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی کو مظلمہ تشریف لائے۔ سرکاری فی
 خان بہادر مبارک علی
 تھے کہ ان ترمیموں کو مانگتے تھے۔ تشریف صفا کے یہاں پہنچے ترکوں کو ہر مجلس میں ہر
 کہتے تھے حکومت موجودہ کی روح سرائی میں زبان خشاک ہو جاتی تھی۔ انہوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی
 طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ بہاؤ کے احوال کو دریافت کر کے واقعی باتیں اہل ہند کو بتاؤں کیونکہ ہندو
 اس وقت سمجھنی بہت پھیلی ہوئی ہے اور مولانا اہل ہند برطانیہ پر سب سے احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہِ حج
 کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء کی طرف سے ہم کو دیا جائے جس میں ترکوں و ان کی
 حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں۔ ان کے استحقاقِ خلافت پر پُر زور مضمون لکھ دیا گیا ہو۔ اس جوہ

انقلابِ سلطنت حاکمِ دہلی جہانگیر نے ذکر کی گئی ہوں۔ چنانچہ ایسا ایک محض تیار کیا گیا اور وہاں کے اُن
 عمارت جنگو دربارِ شرافت میں داخل تھا اور صاحبِ ثروت و شوکت شہار کے جاتے تھے اُسپر دستخط اور مہر کر دیا گیا۔
 بہتوں خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط اور مہر کر دیا۔ خان بہادر موصوف کے پاس جب محض پتھر
 تو اُس وقت کہا کہ ابنِ علماء کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کرے گا۔ مناسب ہو گا کہ حضرت مولانا
 محمود حسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلم شخص ہیں اُنکے اور دیگر علماء ہند کے دستخط اور مہر لیا
 (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم کو وہاں سے پکڑا جا سکے۔ یا یہ قضاۃ
 تھا) الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبدالرشید صاحب جو کہ زمانہ حکومتِ ترکیہ میں مفتی چنا
 تھے اور اب انقلاب کے بعد عمدہ شیخ الاسلامی اور دکانِ شرافت پر مامور ہو گئے تھے بذریعہ نقیب العلماء
 مولانا کے پاس بھیجا۔ اور آخر محرم الحرام ۱۳۱۲ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لیکر مکان پر آیا اُس زمانہ میں علی
 مکہ معظمہ میں سے جو لوگ ہاجرین ہند اور علم دوست تھے انہوں نے نظر کے بعد مولانا مرحوم سے بخاری شریف
 کو شائع کر کے رکھا تھا مکانِ اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے جب کاغذ آیا تو چونکہ اُسکی سُرخی بھی مٹی
 علماء مکہ المدینہ میں بالحریم الشریف الملکی۔ یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے اُن علماء کی طرف سے
 ہے جو کہ حرم شریف کی میں پڑھاتے ہیں۔ اسلئے اُن سے کہا گیا کہ ”اؤ لا اسی سُرخی کی وجہ سے کوئی
 استحقاق نہیں کہ حضرت مولانا اسپر کچھ لکھیں کیونکہ وہ علماء مکہ سے نہیں اور نہ حرم کی یعنی مسجد الحرام میں
 مولانا نے کبھی تدریس کی۔ ثانیاً ایں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کی گئی ہے اور دربارہ اسکے جو کچھ احتیاط اور سخت
 احکام ہیں آپکو معلوم ہے۔ ثالثاً ایں وجہ تکفیر سلطان عبدالحمید خاں کا تخت سے اتار دینا لکھا گیا ہے۔
 حالانکہ کسی فقیہ نے اسکو موجباتِ کفر میں سے قرار نہیں دیا۔ رابعاً ایں خلافتِ سلاطین آل عثمان کا
 انہما کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ امر مخالفِ نصوصِ شرعیہ ہے۔ خامساً ایں ابنِ انقلاب حرکت کو شتم و بکھار دیا گیا
 ہے اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقعہ ہوا ہے۔“

چونکہ کاتبِ اُردو کی فقیہ العلماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اسلئے اُن سے تمام کیفیتیں ظاہر کر دینے
 کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہہ دینا کہ مولانا نے اسپر دستخط اور مہر سے اسوجہ انکار کر دیا کہ اسکا عنوان
 اہل مکہ اور مدینہ حرم کے ساتھ مخصوص نہیں آفاقی شخص ہوں۔ پر دہی ہونے کی وجہ سے مجھکو کوئی

استحقاق اسپر دستخط کرنیکا نہیں۔ اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری جہوں کو اپنے مظاہر نمائندہ اچھے انہوں نے اصرار کیا تب ان جہوں کو پیش کیا جائیگا۔ وہ اسی وقت واپس ہو گئے اور پھر کوئی جواب لائے اس محضر کا شمار میں پہلے سے جہر جائیگا جو لوگ حقائق تھے ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے پاس آیا تو ہم کیا جواب دینگے اور کس طرح جان چھوڑا دینگے۔ مولانا مرحوم کے ذکر کرتے ہی تماشہ میں شہر ہو گیا کہ مولانا نے اسپر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اب تو دوسروں کو بھی ہمت ہو گئی۔

ادھر شیخ الاسلام صاحب کو متنبہ ہوا انہوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اسکو لکھا کہ اُس میں سے محبت تکلیف بالکل خارج ہو گیا۔ مگر دستخط کرنے کو بچھ نہیں چھوڑا۔ جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی گئی تھی اسپر پہلے علماء سے فقط دستخط لیکر اجازت المقبلہ سے بھی اچھاپ دیا گیا۔ اور اسی کو نماں مبارک علیخان لیکر روانہ ہو گئے۔ خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ یہ شیخ نے ایک کوئی اذیت پہنچا مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے۔ مذہبی حیثیت سے اسپر ہر دستخط کسی طرح درست نہ تھا آئندہ جو کچھ تقدیر آتی میں ہو گا بھیلیں گے۔

مولانا کو پہلے سے بھی بار بار یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کونسی طرح مناسب میں بلا شریف کے احاطہ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں۔ کیونکہ گورنرٹپ انگریزی کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر رکھا ہے اور شریف سے اور گورنرٹپ سے اذیت اتحاد ہے۔ پھر کمپوٹنگ بہتری کی امید کیجائے۔ اسلئے بارہا اتفاقاً فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہیئے۔ مگر اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا۔ وہاں تو کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سارا سبب تھا۔ ان سبب کے لئے متعدد مسوادیوں کی ضرورت تھی جنکے انتظام میں بڑا کھڑا گل و برہت شہرت کا سامنا تھا۔ تسبیح بھی فکر کیا گیا۔

ایام رجب سے پہلے حکیم رفیع حسین صاحب ساکن کوڑہ جہان آباد ضلع فتحوہ مسوہہ محلہ پٹنہ چوہی نادر بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب پٹنہ پوری عدن اور پورٹ سودان ہوتے ہوئے شریف لائے تھے حکیم صاحب موصوف نے یونہی میں بلکہ حدیث وغیرہ پر عاقلہ ماس ہی ان کی تیار کیا

حکیم رفیع حسین صاحب
سکاڈر

ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم سے بیعت بھی تھی۔ اور مولانا سے انکو نہایت زیادہ تعلیق تھا طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خدا پرست پائی تھی۔ احوال حاضرہ کی لکاش اور عالم اسلام کے تفضل ہندستان کی غلامی نے انکو

سنت پیچیدگیوں میں ڈال کر رکھا۔ اُن دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے، جس کو شریف لاسہ والی مکلا سید باشم صاحب دانت تھے اور اُن کے دادا مولانا عبدالغنی صاحب کانپوری مرہوم تھے۔ مقتدرین میں سے تھے۔ اُن دنوں ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدنان پورٹ سوان تک وہاں سے جہدہ کانٹ بھی دلا دیا تھا۔ چونکہ حکیم نصرت حسین جن صاحب طلبہ یونانی سے آئے تھے اور اُن کی تہہ بھر دیے ایسے موجود تھیں انہوں نے حاکم مکلا کی، ابھی ایک تہ تک کی تھی اور بظاہر وہی سرخ تہ نکالا پہنچے تھے۔ پھر انہوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی ابتدا سے ذی الحجہ یا اواخر ذی قعدہ میں مکہ منظم میں پہنچے عبدالقادر سکندر ان کا مہموف تھا۔ چونکہ اُن دنوں وہ خود موجود نہ تھا اُسکے بیٹے اور لوگوں وغیرہ موجود تھے انہوں نے پوری طرح خدمت اور خبر گیری ان دونوں حضرات کی رکھی۔ اُن زمانہ میں مکہ منظم میں کوئی ترکی لوہی کا استعمال کرتا نہ تھا۔ اُن دنوں کے تھے۔ اسلئے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دونوں پر پڑتی تھیں۔ حج سے فارغ ہونیکے بعد سید باشم صاحب ہندوستان اُس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف وہاں اس بنا پر ٹھہر گئے کہ شاید انہیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا بہتہ نکل جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت مشرف ہونا نصیب ہے۔ اور چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانیکا ہو چکا تھا۔ اسلئے انہوں نے اُسی مکان میں آجانا اور قیام کرنا سبب سببما جہاں حضرت مولانا مقیم تھے سید باشم صاحب کا بہا ز حبیب بن بچا وہاں پر اٹھ کر نے جو روپیے انکے لئے پہلے وعدہ کے طور سے تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل۔ کہ پیش کئے۔ کیونکہ حبیبہ کے میں پہلے کہ چکا ہوں۔ اولاً تو امیر مذکور اُن کے دادا کا معتقد تھا۔ اُسکو بھی حیدر آباد سے تعلق ہے اور اُن کے دادا صاحب بھی وہاں کے معتقد علیہ لوگوں میں سے تھے۔ ثانیاً یہ بھی سادات علویہ میں سے ہیں جنکا حضرت موت میں قیام اور مرکز ہے۔ اور امیر مذکور اُن سادات کا ہمیشہ سے خادم اور معتقد رہا ہے۔ ثانیاً یہ دونوں وہاں اُسکے پاس بطور مہمانی گئے تھے اُسکے لئے ادا سے خدمت و نذرانہ ضرور تھا۔ رابعا حکیم صاحب اُسے مفید اور سہیح تاثیر دوائیں پائی تھیں جنکو وہ ہزاروں کے خرچ میں بھی نہیں پاسکتا تھا۔ ان وجوہ اُس نے انکے لئے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد جمع کر رکھا تھا۔ ان کا بہا ز حبیب عدنان بچا تو یہ وجہ واقفیت سابقہ اُس سے اُس نے وہ نقد پیش کیا۔ جب بمبئی پہنچے تو گورنمنٹ نے ان کو زبردست لے لیا اور جو کچھ نقد انکے

پاس تھا وہ بھی نہ بڑکریا اور تہمت یہ کہی کہ تم اس سے امیر کا بل سے سازش کرنا چاہتے ہو بیچارے ایک
مذمت از تکالہ ادا فرمادو کہ جس کی جیل میں ہر پھر چھوٹے مگر نقد اتنا نہیں ملا۔

واقعہ اسارت کے مقلد | میں پہلے غرض کرتی تھیں کہ اس فتوے کے واقعہ کے بعد ہر مومنانہ اور مولانا کو خصوصاً
اس کا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جائے اور خصوصاً شہر مدینہ کی قلمرو سے بیرون

ہو جانا نہایت ضروری ہے مگر اس بار ہر مومنانہ کی تعداد کی وجہ سے اشکال تھا حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا تقاضا
بھی یہ تھا۔ بہت کچھ انتظام کیا جس کی کچھ صورت ہو گئی تھی۔ غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم
روانہ ہو چکے تھے مگر تقدیر کا لکھا ہوا تھا کہ رہنا ہے۔ شریف صاحبہ کے لئے اور وہاں کے نیکو لکسن جتندریا

سے خدا جانے کیا گفت و شنید ہوئی کہ شب کو شیخ الاسلام کے نام حکم آیا کہ مولانا اور ان کے جملہ ہمراہیوں
اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سید یار شمس صاحب کو زیر نراستہ یہاں بھیج دو مگر سید صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ
روانہ ہو گئے۔ سید امین صاحب کو اس کی خبر رات کو ہی ہو گئی تھی مگر انہوں نے ہر کچھ نہیں بتایا۔ صبح کو

شیخ المطوفین احمد بنی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا۔ اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مولوی
عزیز گل صاحب اور دوسرے رفقاء تھے کتابتِ محروف نہ تھا اس لئے کہا کہ انھاری گورنمنٹ جس کی تم عایا ہو مگر طلب
کرتی ہے۔ اس لئے ممکنہ شریف کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کیساتھ روانہ کر دوں۔ جس سواری کی

اور ختمی سواریوں کی ضرورت ہو ہو کر بتا دو تاکہ ہم ان کا انتظام کر دیں۔ مولوی عزیز گل صاحب اس کی کچھ زیادہ
گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں اماں
لئے ہوئے پڑے ہیں۔ اگر شریف ہو کر یہاں آتے ہیں تو ہم خوشی سے بجائیں گے۔ جب تک کہ تم ہو کر
ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو۔ وہ کچھ بچ و تاب کھا کر جواب دے رہا تھا اتنے میں میں (کتابتِ محروف)

ہو چکیا۔ تھوڑے دریافت کیا حال معلوم ہوا۔ آخر کار یہ قرار پائی کہ سید امین صاحب سے اس بار میں
چارہ جوئی کرنی چاہئے وہ کچھ اس بارہ میں سہی کریں۔ چنانچہ ہم سب ان کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ
ان کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے پھر آخر کار یہ کہی ہوئی کہ سب

کو ملکہ شیخ الاسلام کے پاس جمید یہیں جہاں حکام کام کر رہے ہیں چلا جائیے اور اس سے گفت و شنید کرنی
چاہئے۔ چنانچہ وہاں گئے۔ اول سید صاحب پر گئے اور ہم سبوں کو نیچے بٹھا گئے۔ انہوں نے جب شیخ الاسلام

گفتگو کی تو اس نے وہی فتوے پر دستخط کر دیا الزام رکھا انہوں نے جواب دے یا کہ وہ نئے موجود ہیں ان میں سے
 حمین احمد عربی میں آپکو وجہ اور صلیت بتا سکتا ہے اسکو بلایئے اور تحقیق کیجئے۔

شیخ الاسلام گفتگو

الغرض جھکوا بلایا گیا انہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں ہمکو باغی کہتے ہیں ہم کو
 خارجی کہتے ہیں۔ اس لئے ان کو باغیوں کی حکومت میں نہ بٹھایا جائے میں نے کہا کہ آخر
 آپکو یہ کہاں سے معلوم ہوا انہوں نے کہا کہ مولانا نے فتوے پر دستخط کیوں نہیں کئے میں نے کہا کہ خود
 نقیب گوٹلا کر پوچھئے۔ چونکہ اسکا عنوان (مشرقی) یہ تھا کہ من علماء مملکت المکرمۃ المدینہ صلین بالحریم
 الملکی تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکہ معظمہ کے علماء میں سے ہوں نہ میں مسجد الحرام میں پڑھتا ہوں اس لئے
 مجھ کو اس پر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اس نے اس جواب کا انکار کیا۔ آخر کار نقیب بلایا گیا اور اس نے
 اسکا تصدیق کی۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم سے نافرمانی کرتے ہو میں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ
 ہمارے کتاب کی اجازت دیدیں کل کو شریف صاحب خود آجائیں گے ہم ان کے کچھ عرض کر لیں وہ اگر راضی نہ ہو
 تو ہم انہیں ہم کیے تیار ہیں۔ کہا کہ یہ نافرمانی نہیں میں نے کہا کہ یہ استرحام ہو اور استرحام بادشاہ اور وزیر سے
 سب سے ہو سکتا ہے۔ تب اڈھیلاڑ کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں میں نے کہا کہ آپکو غلط فہم
 پہنچائی گئی ہے مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں اس کے پڑھنے اور سننے کی واسطے لوگ جمع ہو جاتے
 ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کی جاتی۔ اس نے کہا کہ اس میں پہلے یا بعد کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا؟
 میں نے کہا کہ ہاں کبھی بعد میں۔ بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آتی ہیں تذکرہ ہوتا ہے جسکا تعلق آپکے
 داخلی احکام و نظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہا کہ مولانا مغرب کے بعد مسجد الحرام میں بھی
 سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بھی غیر واقعی خبر ہے۔ مغرب کے بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے
 ہیں اس کے بعد ہم فقط چند خدام و لائیکے پاس حاضر ہو جاتے یہ وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیاست
 سے کوئی تعلق ہوتا ہے اس نے کہا کہ تو نے حافظ عبدالجبار حقانی ہادی کی دوکان پر یہ کہا کہ یہاں پر حسیب پڑیں
 اور احکام انگریزی ہو گئے ہیں میں نے کہا کہ میں نے حسیب پڑے وہاں اور حسیب کام کو نہیں کہا بلکہ ایک کتاب کی جلد
 بانڈھکر ایک صاحب لائے تھے ان سے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی جلد بانڈھکر لائے ہو اس نے
 جواب دے یا کہ فریجی بانڈھکر لایا ہوں میں نے کہا کہ اسوس اب سب چیزیں فریجی پسند ہونے لگیں میرا اشارہ

اور سطح کلام جلد کے سوا دوسرا کوئی امر نہ تھا میں نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیونکر فرمائیے ہیں۔ اُسے
کہا کہ ہمارے پاس خبر لانیوالے تو یہی لوگ ہوتے ہیں فرشتے تو لانے سے رہے ہی۔

الغرض اخیر میں اُسے اگلے دن کی اجازت دیدی کہ کل کو شریف آجائے گا تو خود اُن سے گفتگو کر لیا
ہم خوشی خوشی گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تمام رستہ بیان کرتے رہے۔ خیال یہی
ہوتا تھا کہ شب کو کسی طرف نکل چلیں تاکہ ان کے دست بڑ سے بچے رہیں۔

مگر حافظ عبد الجبار صاحب ہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے صفائی ہو
تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ لیگا سائے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر کچھ گفتگو کی اور مجھ کو
بلا کر کہا کہ اگر تو سپر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ جو ہم کر معافی طلب کرے تو یہ قصہ رفع دفع

مصالحات کی
کوشش

ہو جائے۔ میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کیلئے شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار میں پیر چوہنے کے لئے بھی تیار
ہوں انہوں نے فرمایا کہ مغرب کے بعد تو ہمارے مکان پر آجانا ہم تجہ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائینگے
اور پھر جس وقت ہمارا آدمی تیرے پاس آئے اس وقت تو اُس کے ساتھ چلے آنا۔ الغرض ایسا ہی کیا گیا مغرب
عشا کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہو کر علی مالکی (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے وہیں شیخ الاسلام شام کو
بوجہ اپنی سُسرال ہونیکے بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں نے پوچھا۔ شیخ الاسلام
کے ہاتھ جوئے اور معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ خواہ ہمنے ترکوں نے نہیں غلطی
کی یا صواب کیا مگر اب جبکہ اُن کی ٹخن لگی اور ہم اس میدان میں آئے ہیں تو جتنا کہ ہماری عورتیں اور بچے
باقی ہیں ہم لڑینگے۔ میں نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر قہقہہ پکری میں چلا آیا۔ اب جملہ جاتا
کو بھی اور ہکو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا۔ کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جائے
اگلے روز جب شریف صاحب کے تو شیخ الاسلام نے اُس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم ہمہ نکل نسبت) رات کو آئے
تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں اُس نے اُن کو چھوڑ دیا گیا شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں تم نے اُن کو
شب ہی کو روانہ کر دیا۔ اُن کو کج ہی روانہ کرو۔ اُن کو کسی طرح مست معاف کرو اور بہت سختی کے کلمات کہہ کر اُن
کے ہونچنے پر ہم میں سے بعض جواب کی رائی تولی کہ مولانا کو اور اُن کے ساتھ وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے
اور شب کو اُن کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائیگا۔ باقی لوگوں کو دو چار دن غایہ مافی الباب قید رکھیں گے

پھر چھوڑ دینگے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قنور دیر کے بعد پولیس کل آدمی جھکا اور وحید کو بلانے کیلئے پہنچا
وحید موجود نہ تھا۔ جھکا و تھیں یہ میں بلا کر لڑکے کے کھنڈر پولیس نے جھکا کہا کہ تو انگریزی حکومت کو ہرالتا ہے اب
ارکھام زد چکھ اور قید خانہ میں جھکا بھیج دیا ۛ

کے قید خانہ میں تین قید خانہ ہیں ایک تھن اور دو غیر تھن۔ تھن قید خانہ وحید یہ ہیں
جس میں آدمی مکان سے باہر نہیں جاسکتا ہے۔ ارکھالاس وغیرہ وہی رہتا ہے اس سے

کوئی کام بھی نہیں کیا جاتا اس سے جو شخص چاہے ارکھالاس ہو۔ لوگوں کا کھانا ان کے گھر دفاتر آتا ہے اور غیر تھن
قید خانے شریف کے مکان پاس میں۔ ایک تو قید خانہ جج میں بہت سی میٹریٹوں سے اترتا ہوتا ہے اس میں روشنی
بالکس نیردن رات وہاں کیسا رہتا ہے۔ اور دوسرا سر نہ اس میں وہی جھکا خشک پتے ہیں لکڑیوں میں پیر
ڈال دئے جاتے ہیں جنکی وجہ آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا۔ اس اند میرے میں فنگا اور زاد لکڑی کے تھنوں میں
پیر پڑا ہوتا ہے۔ غرض کہ یہ دونوں قید خانہ نہیں بلکہ نابینوں کے بنوئے ہیں۔ کاتبہ لکھو کو اس تھن قید خانہ
تھیں یہ میں رکھا گیا دشنام دوسرے کھانا سیدہ این تمام صاحب طوفانے بھیجا۔

اس کے بعد پولیس مولانا کو تلاش کیا چونکہ مکان پر موجود تھا اسلئے مولوی تہذیب محل تھا اور حکیم حسرت
صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈ کر لانا اس وقت میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا
کہ وہ تو قید خانہ میں ہے۔ ان دونوں خدام نے مولانا کی لائسنس بیان کی۔ باوجود سخت تقاضے اور دھمکی
موت کے ان خدام نے کچھ تہ نہیں دیا۔ بالآخر یہ دونوں ہی مکان میں حضرت کے آمد تک مقید رکھے گئے
اور شریف کے نوکر چاکر حضرت کی غلاش میں رہے۔

دہلی کے بڑے بڑے تاجروں کی ایالت شریف کے یہاں پہنچی اور کہا کہ ہم آپ کو
خدمت میں اتر جام کیلئے حاضر ہوئے ہیں اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا تو
تو آپ خود ان کو اپنی ملکیت میں سزا دیں غیر مسلم تو موس کے حوالے کیوں کرتے ہیں اور ہرم
خدا ہندی سے کیوں نکالتے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جبکہ ترکوں نے بعض دیموں کو قید کر کے فلا
تاج کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مان ہوئے تھے اور ان کو چھوڑا دیا تھا۔ پھر اب تو آپ خود مستقل ہیں
تو ہماری امیدیں آپ سے بہت زیادہ دہستہ ہیں اسنے تو اب کیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی ابھی نئی ہے

ہم نہیں چاہتے کہ ہم انکی رعایا کو کوئی سزادیں اور پھر وہ ہماری دوستی میں فرق اور خلافت کی باعث ہو۔ ہکو
 ان کی دوستی قدامت یعنی عروزی ہے۔ ہم کسی طرح اس وقت کوئی رعایت نہیں کر سکتے (حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود بخود
 تھا غالباً اس پر حکم کیا گیا تھا کہ مولانا کو تسلیم کر لے) غرض کہ ان کی بھی کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ جب شام کا وقت
 ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر ہاتھ نہ لائے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں

ہیں *
 شریف نے حکم کیا کہ اگر عشاء تک لانا ناموجود نہ ہو تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے مار دو اور مطوف کے تنو کوڑے لگاؤ اور مطوف
 جھین لو۔ اس خبر کی وجہ سے مطوف جتنا کہ نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو بھی خبر پہنچی۔ مولانا نے فرمایا
 کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ کسی کو کوئی آزار پہنچا یا جائے جو کچھ ہو گا میں اس پر سسر پر جھیلوں گا اور
 نکلنے کے لئے تیار ہوئے اجاب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلے تاکہ لوگوں کو خیال ہو جائے کہ یہاں
 تھے ہی نہیں چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آگئے اور وقت اونٹ وغیرہ حاضر کئے گئے اور چائے
 آدمی تقریباً عشاء کے وقت وہاں سے دواؤں پر روانہ کر دئے گئے۔ مولانا داراؤلی کے وقت نہایت مطمئن
 تھے اور اجاب نے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ ”الحمد للہ بمصیبتہ گرفتارم نہ بمعیتہ“

منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے اسلئے ہمنے انکو علیحدہ کر دیا تھا اور کدیا تھا
 کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہدینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا میں رفقائے میں نہیں
 ہوں مگر ان سے کسی نے تعرض بھی نہ کیا۔ مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لئے ہوئے حفاظت کیلئے
 ساتھ تھے جو نوبت بنوبت ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے۔ یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ صفر تک شنبہ
 ۱۲۳۷ھ کو ہوا۔ دو شنبہ کی صبح کو ۲۴ صفر کو جدہ پہنچے۔

مجھکو رہ تب محرومت کی قید خانہ میں کوئی حالت صحت تک معلوم نہ ہوئی صبح کو جب احباب ملنے آئے تب
 سب کیفیت معلوم ہوئی۔ ہوڑی میر کے بعد سید امین عالم صاحب کے بھانجہ زادہ سید احمد جعفری آئے اور
 کہا کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ ہم نے تیرے چھوڑا لے کیلئے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفا ہے اسلئے
 کم از کم آٹھ دس دن تک مجھکو قید خانہ میں رہنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت
 کے لئے نکلا ہوں اسلئے مجھکو خدمت میں رہنا ضروری ہے اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لینگے تو پر

ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ ان کو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہوا اسلئے جس طرح ممکن ہو مجھ کو مولانا کے پاس بھجوا دیکہ انہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے ہم ابھی شیخ الاسلام سے جا کر کہہ دیتے ہیں کہ مادہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا انزال کرنا مناسب ہے اسلئے اسکو بھی ہاں بھیج دو غالباً وہاں ہی وقت تک کو بھی وہاں بھیج دیں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے۔ پھر معلوم ان سے کیا باتیں تھیں نظر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجھ کو جتہ جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جا کر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقی ماندہ جتہ رہا جسے حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اسکو بھی منتظم کر کے حافظ عبد المجید صاحب کے سپرد کیا آپ اس تمام اسباب کو خچروں پر جتہ ملوث حصے کے ذیل کے پاس بھجوا دیں۔ الغرض مولانا کی رہائی کے بعد اگلے دن خچروں پر جتہ کو زیر حراست روانہ کیا گیا۔ چونکہ اونٹ جتہ اور مکہ کے درمیان دنوں لگتا ہے اور خچر ایک ہی شب میں پہنچتا ہے اسلئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پوچھنے کے تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ کے بعد میں پہنچا۔ جتہ کے قید خانے کے دروازہ پر ایک کمرہ تھا وہاں پر مولانا مواسے رفقاء کے فروکش تھے وہاں ہی میں بھی پہنچا دیا گیا مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا حاضر ہو جائے پر اطمینان ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا
خواب

بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جناب سیدہ کائنات آقاؐ نے نماز حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہوا اور ہم سب نے جاری ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ کی تجیز و تکفین وغیرہ سب امور کامیاب ہو گئے ہیں اور پھر اپنی دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجیز و تکفین ہم طالب علم کس طرح سے پورے طور پر ادا کر سکیں گے پھر دیکھا میں نے کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ تعالیٰ عنہ قدام اللہ تعالیٰ عز و جلال کے سامنے دو انوار اقبال بیٹھے ہوئے ہیں ان میں چاروں طرف سے ارد گرد تجیز و تکفین وغیرہ کا انتظام کرتا ہوا ہوں میرے چہرہ ظاہر تھی کہ بیان نہیں فرمایا۔

شام کے وقت انسپکٹر سی آئی ڈی بہاؤ الدین محافظہ حجاج آئے اور انہوں نے کہا کہ کل کو ایک گٹ جانوالا ہے اگر آپ میں مجلس تو میل کا انتظام کریں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ معتد بہر طمانہ کرنیل دس کی طرف سے مامور ہو کر تیار پاس آئے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ ابھی تک ہمارا سامان مکہ مندر سے نہیں آیا اسلئے

ہم اگلے آگہوت میں جائیں گے۔ اور پھر دوسری بات ہم آپسے بحیثیت ہندوستانی اور سلطان ہونیکے
خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اس وقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے میں ہم بلا کم و کاست
وہاں لیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپا دینگے اور یام گورنمنٹ کی کستیا کے زیادہ مخالف ہوگا۔ اسلئے آپ
گوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھ دے خواہ جہ میں یا اور کسی قریہ یا قصبہ میں
انہوں نے کہا کہ بہتر ہے۔ اگلے روز وہ آئے اور ہم کو اپنی مکان پر بیٹھے اور کے طبقہ میں جو کہ خالی تھا ہم کو رکھا
اور بیچ کے طبقہ میں خود رہتے تھے۔ اور نیچے دروازہ پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو ہمارا اس وقت
موجود تھا وہ روانہ ہو گیا۔ کہ نیا مسکن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا۔ تقریباً ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد کیا انہوں
نے اُس کا افسانہ جو اب یا کہ ملن نہیں کراں کو یہاں چھوڑا جائے۔ کیونکہ شریف کہتا ہے کہ میری قلمرو میں کچھ
چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہر ان کو معز بھیجا جائیے جب ہم کو یہ خبر پہنچی تو ہم نے کہا کہ مصر سے تو ہندوستان
ہی اچھا ہے۔ آپ ہندوستان کیلئے اُن سے زور دیجئے انہوں نے خواب دیا کہ اب ہندوستان کے لئے کسی طرح
تیار نہیں ہوتا دیہ سہلن کا بیان ہے۔

جہ سے روانگی | الفرض بروز جمعہ ۲۸ جنوری ۱۹۱۸ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ء جہ سے سویر کو خود یوسی
آگہوت پر ہم کو سوار کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ماہ جہ میں رہنا ہوا۔ نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی
پڑھتے تھے جمعہ کے روز بہاؤ الدین ہم سے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی ایس
ہوتا تھا۔ بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تھی تو اسکو اپنے ہمراہ لے جاکر خریدوا دیتا تھا یا اپنے نوکر کے
ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوا دیتا تھا۔ ہمارے سوار ہونے تک ہم اُن کے زیر حراست رہے اور حجاز کی
روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری حفاظت کرتے رہے جبکہ وقت روانگی کا آگیا چلے گئے۔ ہمارے
کوئی پولیس ہم پر نہ تھی۔ جہ میں کھانا گورنمنٹی خرچ سے ہوا سہاؤ الدین عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پاک کر
دونوں وقت آتا تھا۔ قیام جہ میں بھی مولانا نے دو خواتین رکھیں ایک یہ کہ ایک سیاہ جھینسا نہایت بھڑو
مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اُس نے اپنی سنگ مولانا کے سینہ مبارک سے لگا دئے ہیں۔ اب خیال ہے
کہ اگر اس نے ذرا بھی دھک دے یا تو ہم کو گرادیگا مگر وہ سینکڑوں کے لگا دینے کے بعد طاقت و طاقت کٹر ہو گیا۔ کچھ
لوگ مولانا کی ہمدردی کر رہے ہیں اور اسکو پیچھے سے مارنا چاہ رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو

اگر تم نے اسکو ہار تو مجھ کو آگے کو دیکھ کر ہلاک کر دیگا۔ اسی حال میں مولانا نے اسکو غفلت دیکر ایک طرف کو اپنے آپ کو نکال لیا۔ اور ہٹ گئے اسنے بھی کوئی تواقبت کیا۔ اسکی تعبیر تو یہ دی کہ انشاء اللہ العزیز لغیر کسی کی سعی کے افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے نجات پائیں گے۔

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھی دیکھا کہ "ایک میدان میں ہیں اور اسنے ایک بادلا سفید کتابیٹھا ہے اسپر جنون اسقدر سخت غالب ہے کہ منہ سے جھاگ جا رہی ہیں لوگ اسپر پتھر اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور بھر جا کرنے سے ہٹ جاؤ مگر بٹھانیں تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور لاٹا محفوظ ہو گئے۔ اسکی تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سویز کا پہونچنا۔ ہمارا جہزہ سے روانہ سوکر چوتھے دن بروز شنبہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۷ء مطابق ۲۳ ربیع الاول سویر میں صبح کو پہونچا۔ یکمڑہ کے بعد ایک گار تقریباً اٹھارہ میں گورن کی سنگین اور بناروق لئے ہوئے پہونچی اور ہکو قریب کے فوجی کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا لیگئی۔ وہاں ایک خیمہ میں ہکو ٹھیرا دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ کل تک کو معرودہ کیا جائیگا۔ ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کے لئے مقرر کئے گئے اور ہندوستانیوں سے ہمارے واسطے کھانا پکوا کر دیا گیا۔ صبح کو نماز کی وقت ہکو ریل پر سوار کر دیا گیا۔ درجہ تھوڑا کلاس تھا۔ اور تقریباً چودہ یا پندرہ گورے سنگین لگائے ہوئے ہمارے حفاظت کو ساتھ تھے اسباب سب ہمارا ہمارا ساتھ تھا۔ گورن کی گار وٹکنشنوں پر ایک یا دو جگہ بدلی ہوتے پہرے کو تقریباً دو بجے اسپر فزینی چہار شنبہ ۱۷ جنوری مطابق ۲۴ ربیع الاول گاری قاہرہ کے اسٹیشن پر پہونچی۔ یہاں ہم اتارے گئے چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی۔ گورن سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لڑھوئے حفاظت کرتے رہے۔ پھر عصر کی بھی نماز وہیں پڑھی جبکہ تقریباً دیر گھنٹہ دن باقی تھا اسوقت موٹر آیا اور ہکو معہ جملہ اسباب کے جہزہ لیگیا۔

ملک مصر کا دارالسلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ مصر میں سے بڑا شہر ہے اور جب اسلام نے اپنا سکہ یہاں جایا تو ہمیشہ پادشاہان مصر کے قیام کی جگہ میں شہر بلکہ نہایت پر رونق اور آباد شہر ہے۔ خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے اسکا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹی ہیں۔ علمی شہیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے۔

جامع از ہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ علاوہ اسکے مختلف علوم و فنون کے یہاں پر پونہ لیا اور کالج اور سکول وغیرہ میں۔ یہ شہر دیا گئے نیل کے دائیں جانب واقع ہے اور دیا گئے کے بائیں جانب کی آبادی کا نام جزیرہ ہے۔ اندون جزیرہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے۔ دیا گئے نیل نے ان دونوں آبادیوں کو جدا کر دیا ہے۔ دیا گئے متعدد مقامات میں پل بنے ہوئے ہیں جو کہ کھیلنے اور بند ہوتے رہتے ہیں جنکی دھبے سے کشتیاں گزر سکتی ہیں۔ ٹریسوری دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہے۔

ابراہیم مرہادی شاہان قدیم کی عمارت یہاں جزیرہ ہی میں واقع ہے یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیل تھا جسکو سیاحین نے دیکھا تھا کہ وہاں خود قاہرہ میں جیل خانہ بنا دیا گیا تھا اسلئے یہ جیل خانہ بیکار ہو گیا تھا سودا گروں کو تجارتی مال سامان رکھنے کیلئے لڑا یہ پر دیا جاتا تھا۔ زمانہ جنگ میں جبکہ سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کی ضرورت ہوئی تو اسکو خالی کر لیا گیا۔ اور اسکو (معتقل سیاسی) سیاسی قید خانے کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں پر ان لوگوں کو بیڑہ یا دوسو سے زائد سیاسی لوگ قید تھے جن میں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے۔ ہندوستانی بھی تقریباً تھوڑے تھے جن میں کے عوام و ہسی لوگ تھے جنہوں نے مصر میں بود و باش اختیار کر رکھا تھا۔ ہم مغرب کچھ پہلے یہاں داخل کئے گئے ہماری تلاش یکنی ہمارے پاس پٹھری یا سترہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ لیلیا گیا اور نقد سے ہتھکڑیا گیا اسوقت ہمارے پاس (۸۱) پونڈ انگریزی اور کچھ تقاریق تھی جو ہم نے منظر احتیاط مکہ معظمہ سے ساتھ لیلیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر نکالیں گے وہ سب لئے گئے اور بمقامت رکھ لئے گئے اور کہا گیا کہ جب تم کو ضرورت ہو اگر کی ملانے لگا۔

ہم کو اندرون قید خانہ جہاں قیدی رہتے تھے شہر کو داخل نہیں کیا گیا بلکہ دیوار با قید خانہ کے اندر قید ہو گئے کمرے سے باہر ایک غیمہ کھڑا دیا گیا۔ اور اسیں چار پائیاں بچھا دی گئیں اور کھانا چار وغیرہ ہم کو دی گئی چار تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبند کابل وغیرہ حضرات نے بھی مگر کھانا ترکی مطبخ میں سے گوشت کی طرف سے آیا۔ رات بھر وعافیت ہم نے غیمہ میں گزار دی وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم کو برف سے جو کہ گرم جگہ پر گئے تھے مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے اسلئے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی۔ صبح کو ہم سے بلا کر پوچھا کہ یہ مقدار نقد کیلئے نام سے لکھی جاوے۔ ہم سبوں اتفاق سے کہہ دیا کہ

ہم ہاتھوں کے مشترک میں کسی خاص نام کو ناست بھا گیا۔ اُسکے بعد باری چار پائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل
 کر دی گئیں اور باہر سے دروازہ لوبہ کی سلاخوں کا مضبوط تھا۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اوّل وہاں کے
 دفتر میں لیکے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگلی دفتر اور مرکز تھا دسپاہیوں کی حفاظت میں مرمیوں میں
 لیگے کیونکہ جگہ بہت دور تھی ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا اُس میں تین نشستیں تیں انگریزوں کی
 تھیں وہاں میں سے اردو نہایت صاف بولتے اور سمجھتے تھے مولانا کو کرسی پر بٹھایا گیا اُسکے پاس چھپے ہوئے
 کاغذات تھے جنکو گورنمنٹ ہند نے ہم بسوں کے متعلق خبریں جمع کر کے چھاپکر وہاں بھیجے تھے مولانا مرحوم کی
 ڈائری بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اسوقت کچھ پشیاب کا بھی تقاضا تھا کچھ تھائی رفقاء کا خیال
 کچھ انگریزوں اور دنیاوی حکام سے نفرت اُس نے اولاً مولانا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری
 باتیں پوچھی۔ مولانا نے نہایت مختصر اور محض اُنہرے ہوئے طریقہ پر بلا التفات و توجہ کے جوابات دئے جس
 طریقہ کو غالباً اُس نے اپنی تمام عمر میں یہی کیا تھا۔ اسی وجہ سے اُسے حکیم نعمت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ
 غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اور اُن سے طرز معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے اُس نے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد
 سوالات کئے :-

سوال مستنطق - آپ کو شریعت نے کیوں گرفتار کیا ؟

جواب مولانا - اُسکے معجزہ و دستہ انکارنے کی بنا پر۔

سوال مستنطق - آپ اپنے آپ کو کیوں دستخط کئے ؟

جواب مولانا - مخالف شریعت تھا۔

مستنطق - آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ ہندوستان میں پیش کیا گیا تھا ؟

مولانا - ہاں !

مستنطق - پھر آپ نے کیا کیا ؟

مولانا - رد کر دیا۔

مستنطق - کیوں ؟

مولانا - مخالف شریعت تھا۔

مستنطق - آپ مولوی مہدی اللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا - ہاں۔

مستنطق - کہاں ہے؟

مولانا - انہوں نے دیوبند میں مجھے عرضہ راز تک پڑھا ہے۔

مستنطق - وہ اب کہاں ہیں؟

مولانا - میں کہہ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرضہ راز سے زیادہ ہوتا ہوں کہ مجاز وغیرہ میں ہوں۔

مستنطق - رشی خط کی حقیقت ہو؟

مولانا - جبکہ کچھ علم نہیں۔ نہ میں نے دیکھا ہے۔

مستنطق - وہ لکھتا ہے کہ آپ اسکی سیاسی سازش میں خلافت برطانیہ شریک ہیں اور آپ نے جی کمانڈر ہیں

مولانا - وہ لکھتا ہے تو اپنے گلے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بسلا میں اور فوجی کمانڈری میری جی

حالت ملاحظہ فرمائیے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر عمر کی مدد میں گزرائی

جھکونوں، حریر اور فوج کی کمانڈ کیا مناسبت۔

مستنطق - اسنے دیوبند میں جمعیت لانصار کیوں قائم کی تھی؟

مولانا - محض مدرسے کے مفاد کیلئے۔

مستنطق - پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا - آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

مستنطق - کیا اسکا مقصد اس جمعیت سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

مولانا - نہیں۔

مستنطق - غالب نام کی حقیقت ہو؟

مولانا - غالب نام کیسا؟

مستنطق - غالب پاشا گورنر مجاز کا خط جبکہ محمد میاں بیکر محلہ سے گیا ہے اور آپ نے غالب پاشا سے

اسکو حاصل کیا ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں۔ وہ میرا فقیہ سفر تھا مدینہ منورہ سے مجھے جدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اسکو جبرہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط لکھا، جسکو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

مستنطق۔ محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کہاں ہیں؟

مستنطق۔ وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا۔

مولانا۔ پھر آپکو خط کا پتہ کیونکر چلا؟

مستنطق۔ لوگوں نے دیکھا۔

مولانا۔ آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں تک کہاں گزر

ہو سکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص۔ نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی محکام سے کوئی

رابطہ ضبط۔ حج سے چند دن پہلے مکہ منگہ پہنچا۔ اپنے امور دینیہ میں مشغول ہو گیا غالب پاشا

حجاز کا اگرچہ گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں تک سائی نہ حج کے پہلے ہو سکتی تھی

نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ کسی نے یوں ہی اڑائی ہے۔

مستنطق۔ آپ اپنے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا۔ بے شک!

مستنطق۔ کیونکہ؟

مولانا۔ جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت انہوں نے مسجد نبوی میں

علماء کا مجمع کیا۔ مجھکو بھی حسین احمد اور دیاں کے منی اس مجمع عام میں لگئے اور اختتام مجمع

پر انہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کر لیا۔

مستنطق۔ اپنے اس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مصلحت پہنچا۔

مستنطق۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ حسین احمد نے کی؟

مولانا۔ ہاں۔

مستنطق۔ پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟

مولانا۔ ہاں اتنا معلوم ہوا تھا کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لیکر انور پاشا کی سیڑھے آئے تھے۔

مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ حسین احمد کو دیدیا تھا۔

مستنطق۔ ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطان ترکی اور ایران اور افغان میں اتحاد کرنا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کر کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکلنا چاہتے ہیں۔

مولانا۔ میں تعجب کرتا ہوں۔ آپ کو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گزر چکے ہیں۔ کیا آپ گمان

کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گناہم شخص کی آواز پادشاہوں تک پہنچ سکتی ہے اور پھر کیا ساہماں سال کی ان کی عداوتیں میرا جیسا شخص ذائل کر سکتا ہے اور پھر اگر ذائل بھی ہو جاوے تو کیا ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے نااہل سمجھ کر ہندوستان کے حدود پر فوجیں بھیج دیں اور اگر بھیجی بھی دیں تو آیا ان میں آپ طاعت جنگ کی ہوگی؟

مستنطق۔ فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کی باتیں کس قدر پائے اعتبار رکھ سکتی ہیں۔

مستنطق۔ شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا۔ وہ باغی ہے۔

مستطلق - حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں ؟

مولانا - "خوب" وہ میرے استاد زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں۔ میری تمام عمر ان کے ساتھ گزاری ہے۔

غرض کہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا۔ حدود افغانستان اور قبائل و نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کئے۔ مولانا بھی مختصر مختصر جملوں میں مگر نہایت بے رخی کے ساتھ جواب دیتا رہا۔ انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں لے کر دیا۔ مگر مولانا جیل میں لے جانے کے بعد ہمارے پاس نہیں لائے گئے۔ بلکہ انڈر جیل خانہ میں بھیج دیے گئے۔ اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھڑی میں بند کر دیے گئے۔ اُس کوٹھڑی میں تین چار پائیوں کی جگہ تھی دو برابر طول میں بچھ سکتی تھی اور ایک عرض میں۔ مگر ایک چٹائی اسیں بچھی ہوئی تھی +

وہاں چار پائیاں چیر کی لکڑی کے تین تختے سے لمبائی میں دو پیٹوں پر رکھ دیں۔ سب جاتی ہیں ان دونوں پیٹوں میں معمولی شاخ پاؤں سے بڑے ہوتے ہیں اس صورت پر لٹ پاتے۔ اس چار پائی کے نقل و حرکت میں آسانی ہوتی ہے۔ تینوں تختوں اور پیر کے علیحدہ ہوجاتے ہیں اور دونوں نہیں علیحدہ ہوتی ہیں۔ اس چار پائی پر مولانا گد بچھا ہوا تھا جس میں نایل کا صوف بچھا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھا۔ نے اور دو اوٹھنے کے لئے رکھے تھے +

بصر کے سیاسی قید خانہ کی
چار پائی

کوٹھڑی میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جس میں وضو یا خانہ پشیا کرنے کا حکم تھا۔ اُس بالٹی پر چھکن بھی ہوتا تھا کوٹھڑی کا دروازہ لکڑی کا تھا جس میں کوئی سوراخ نہ تھا۔ کوٹھڑی میں پشت کی جانب سے ایک دشمنان بہت اونچائی سے تھا جس سے ہوا

جیزہ کی قید تنہائی
کے قواعد

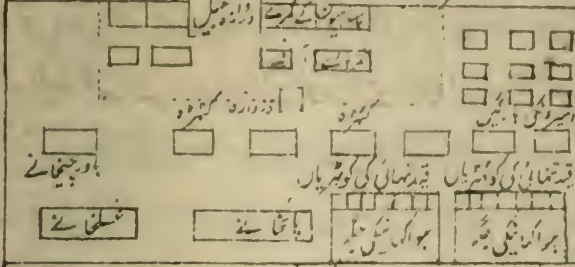
اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی۔ سب کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھڑی کھول کر ہوا کھلانی کے لئے نکالتے تھے۔ اُسی وقت بالٹی بھی میلنا صاف کرنا والے خدام لیجاتے اور صاف کر کے پھر رکھ جاتے اور کمرہ میں جھاڑو دیکھاتے۔ ایک ایک صراحی ہر کمرہ میں جلی قیمت ہمو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی۔ اور علی ہذا القیاس خادموں کی تنخواہ بھی جنکا کام کھانا لانا، پانی لانا، جھاڑو دینا، بالٹی صاف کرنا، تھا ہمو دینا پڑتا تھا۔ گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صانع یعنی تقریباً ایک روپیہ تھا کہ نہ یومیہ پھر

ملے تھے جس میں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا دہاں پراسر میں نے حسب مذاق خود اپنے اپنے باوجود
 (میر) بنارکھے تھے جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا انہوں نے اپنی مشرکت میں ایک باورچی خانہ
 کھول رکھا تھا جس میں باورچی ترکی کھانا پکانیوالا کام کرتا تھا اس نظام میں سیر کرتے تھے۔ ہر مہینہ میں کسی
 منتخب کیا جاتا تھا اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور پکواتا تھا مگر اسی مقدار میں جتنا کہ گورنمنٹ
 نے مقرر کر رکھا تھا۔ اسی طرح مصریوں کی میز (باورچی خانہ) علیحدہ تھی اس کا باورچی مصری کھانے
 پکاتا تھا۔ جو عیسائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے اُن کی میز علیحدہ تھی۔ ہمارا کھانا ترکی
 میز سے آتا تھا۔ علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ چائے اور کبھی دودھ کے ساتھ، انڈے، ہسک، پنیر
 مرہا، جلی، پاوروٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا۔ مگر سب ایک ن میں نہیں بلکہ دوٹی کے ٹکڑے کے ساتھ
 کبھی کبھ ہوتا تھا کبھی کچھ البتہ اکثر نکلین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی۔ دوپہر کے
 وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ہفتہ میں ایک ن مرغ اور ایک ن دوسرے پرندوں
 کا گوشت بھی ہوتا تھا۔ باقی ایام میں دنبہ کا گوشت ہوتا تھا۔ پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر
 ہوتا تھا۔ شام کا کھانا مختصر ہوتا تھا یعنی فقط ایک قسم کا سالن اکثر ہوتا تھا اور کبھی کبھی اُس کے ساتھ میٹھا
 بھی ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا۔ نمک پانی درست تھا۔ اُن عربی
 کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا جن میں نمک ہوتا ہے نہ پیر۔ ہم میں سے اپنے حصہ کو کوئی بھی پورا نہیں
 کر سکتا تھا کھانے کی بوقت دروازہ کھول کر اندر داخل کر دیتے تھے۔ ہر کو شمع جلائے کی اجازت تھی اس لیے ہم اپنے
 پیسے شمع اور دیاسلمانی منگاتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے وغیرہ کے وقت جلا لیتے تھے۔ ہر کو کسی تالیں
 کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہمسے پڑ

جبکہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لئے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ جیل
 کے نیچے ایک محفوظ جگہ تھی وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اُس کے دو طرف دیواریں تھیں ایک طرف پین
 کی دیوار بنی ہوئی تھی اور ایک طرف تاروں کی جالی تھی اور اسی طرف سے دروازہ تھا۔ محافظ اس دروازہ کو کھول کر
 ہر کو ٹہلنے کے لئے داخل کر دیتا تھا اور قفل لگا دیتا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر جانیکے پورا ایک آدمی کو نکال کر اُس کے گھر
 میں بند کر کے دوسرے کو ہوا کھانے کیلئے اِس حجرے میں بند کر دیتا تھا۔ یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی۔

ٹہلنے کی جگہ

آسمان نظر آتا تھا جو کہ فروری کا زمانہ تھا اور مصر کی سردی تھی اسلئے وہاں صوب کی خواہش بہت ہوتی



تھی۔ وہاں یاروں پر سپاہی
پتھر سے پتھر پھینک کر انکو سخت
تاکید تھی کہ کوئی شخص ان
کمرؤں کے پاس آنے نہ پائے۔

اور دین میں رات میں کوئی اُس سے گفتگو کر سکے اسلئے کوئی شخص باہر نہ نکل سکتا تھا جبکہ کائنات پر تیار تھا البتہ بعض اجنبی
ہندوستانی کہیں کہیں رات کو اگر گفتگو کر جاتے تھے جنہیں سے آباد کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب
جو کہ قاری عبد الوحید صاحب آبادی کے قریب بھی ہوتے ہیں اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام علی
صاحب خاں قابل شکر یہ ہمدردی فرماتے رہے خصوصاً صوفی صاحب نے بہت زیادہ ہمدردی کا قابل
دقت حصہ لیا۔ مدوح ایک زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم ہمارے پور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے
تھے اسلئے انکو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور کاتب الحرمین سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا گیا۔ مگر یہ کو بھی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لیجا کر جیل
ایروں کے ساتھ کسی بارگ میں چھوڑ دیا گیا ہو گا۔ مولانا نے اپنی ضروریات قرآن شریف دلائل الخیرات تسبیح
وغیرہ طلب فرمائی ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور نوٹاد وغیرہ بھیجا دیا۔ ہکو نہ معلوم تھا کہ مولانا کوٹھڑی میں بند ہیں
مولانا کو قدرے پانوں کی وجہ سے تکلیف ہوئی مگر حتی الوسع خبر گیری رکھی گئی۔ مولانا مرحوم کو جب وہاں بند
ہو گئے تو یہ خیال ہو گیا کہ عموماً سزا پھانسی دیجا یگی۔ کیونکہ مشہور ہے کہ جسکے لئے پھانسی کا حکم ہوتا ہے
اُسی کو کال کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے اور دوسروں اور دشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی
خبروں کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی کی ہی نہ تھی۔ جن باتوں کی نسبت خیال تک بھی نہ تھا وہ باتیں گونجمنٹ
کے کانوں تک پہنچائی گئی تھیں۔

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ ان کے کلام سے معلوم ہوا۔
مولانا کا فائدہ فقط ان کو دے فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ یہ چند دفعہ بھی اذیت اور تکالیف میں پڑے
خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے

مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جسکے استغناء اور علو نے تمام کام کو انکے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہو۔ نزدیکیاں اپیش بود حیرانی اسکا راز ہے۔ ۵

زور در دین ہمہ پیدان رہ را جگر با خستہ و دہما کباب است

سکاستہ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان داعم الفکرۃ نظرہ الی الارض الکثر من نظرہ الی السماء۔ {جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جسکے لئے فرما دیا گیا ہو و سوف یعطیک ربک فخرضی) اور لیغض لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر یعنی غفریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دیکر تمکو راضی کر دیگا۔ اور تمہارے فتح مگر کر نیکی ثمرات میں تمہارا اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہو} ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں متغرق رہتے تھے آپ کی نظر زمین کی طرف آسمانی نسبت زیادہ ہوتی تھی اور اس قسم کی حدیثیں اسکے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جو جس قدر معرفت باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمت الہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے۔ وہ کیسا بھی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت عطا اور خالص کر پیش کرے مگر حکم الہی بے نیاز کے سامنے اسکو اطمینان کہاں۔ جب تک شاتمہ بالخیر اور سلامت عواقب پر مہر نہ ہو جاوے جب تک پریشانی ہی ہو۔ چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان کرتی تھی۔ چھٹے یا ساتویں روز جبکہ سب اُس ہوا خوری کی جگہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنا احوال بیان کئے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سب پوچھا۔ کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا۔ کثرت افکار اور استغراق باطنی کی بنا پر کھانا ویسا ہی واپس ہو جاتا تھا فقط چار پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے (کیونکہ تمباکو کھانے کی بہت عادت تھی۔ سو کھے پان مکہ معظمہ سے ہم نے بہت رکھ کر لے رکھے تھے) ممکن ہو کہ کسی ایک دو لغتہ روٹی کھالی ہو۔ مگر مجھ کو جہاں تک علوم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ تصفای حاجت فرمایا البتہ پیشاب برابر کرتے رہے اُنکو ہمیشہ سے غذا کی تعلیل میں بہت سرگرمی تھی اسی وجہ سے قلبت غذا اور اُنکی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ اور اسی وجہ سے قضا حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ نہایت کم خراج ہوتا تھا۔ عموماً فضائے کاپیشاب کے ذریعہ سے بدن سے نکل جاتا تھا۔ اُن کی صحت کی نشانی کثرت ادراہ بول تھا۔ اور جب کبھی اس میں کمی ہو جاتی تھی جی بجا رہ جاتے تھے۔ قبض اُنکو اکثر ہوتا تھا۔

فرمایا کہ مجھ کو برابر یہ خیال امنگیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی کپڑے گئے اور پھر اس خیال نے کہ غالباً ہم سبہوں کو سزا موت دی جائیگی اور بھی بچیں کر دیا تھا۔ میرا کچھ نہیں تھا۔ میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکا ہوں مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہر کہ تم سب نو عمر میری وجہ گرفتار ہوئے خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے ہستہ میں واقع ہوا ہے پھر کیا فکر ہے اس وقت میں مولانا کی عبید جالت تھی حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کہیں اپنے آپ کو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے مگر اس وقت بے اختیار ہو گئے انکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں چہرہ کا رنگ تنیز ہو گیا۔ اور فرمائے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے۔ یہی تو میری آدمی اپنی جان تک ید سے لے کر کیا خبر دو قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ یہ لے کر چپ ہو گئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔

مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھ برتاؤ

مولانا مرحوم میں مروت کا نعمتوں نہایت زیادہ تھا اور اسی وجہ غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا۔ یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہی ہے مگر طبائع مختلف پیدا کی گئی ہیں۔ مولانا مرحوم میں جتنی یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا مگر اسکے ساتھ ایک خاص اور بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہو۔ جب کہیں اپنے آدمی کا کسی جہنی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے یا باتے تھے تو اپنے خادم کو دباتے تھے اور ہمیشہ اجنبی کو بجاتے تھے اور جھگڑا لعلی اپنے سے ہوتا تھا اسی قدر اُس کو دباتے بھی تھے۔ اور یہی حالت ابعیدہ اپنی ذات کے ساتھ تھی مگر قلبی تعلق اور حقیقی ملوث سے خیر خواہی اپنے جان نثاروں کی جمید فرماتے تھے۔ جس شخص سے تھوڑا سا جھگڑا بھی اُسی احسان اور کوئی محبت اخلاص سے کی ہوتی تھی تو ہمیشہ اُس کا خیال رکھتے ہوئے اُس کے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے۔ اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضرہ میں موافقت کرتے ہوئے ہر طرح مستعدی اور جان نثاری سے کام لیا تھا ان سے تو مولانا کو بہت ہی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبہوں نے عموماً اور کاتبہ الحروف نے خصوصاً مولانا کے کمالات کو پہچانا اور نہ ان کی خدمت کا حلقہ ادا کی بلکہ حق خدمت کا شہر عشرہ بھی ادا نہیں کر سکے اپنی نالایقی و کم ظرفی سے ہمیشہ اپنی باتیں بھی کرتے رہے جن کی وجہ مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں مگر ان کا جو صلہ اور ضبط اور عادت صغیر اور عفو نے ان کو مجبور رکھا کہ ہماری نالایقیوں پر خیال بھی نہ فرمائیں۔ انہوں نے آخر وقت تک اپنے غلاموں کو خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا۔ خداوندِ کریم عالمِ بنفخ اور آخرت میں بھی ان کی توجہ کو ہم نالایق غلاموں کی

طرف مبذول کر باعیت نجات کرے۔ آمین

قبر سے اُنکے پُکاروں جو رشید و محمود
بوسہ میں لب کو ہرے مالک رضوان اللہ
یہی غلاموں کا فکر اُن کو قید تنہائی میں بھی بے چین کئے ہوئے تھا جس کا ایک ظاہر اور باہر اثر
ہم پر یہ تھا کہ ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کہیں ایسے احوال ہم پر نہ
نہ تھے نہ غم نہ اپنے جملہ عزیز و اقارب کے جدا تھے، بالکل پردیس میں تھے، نہ کوئی مونس تھا، نہ
غمسار، نہ واقف نہ رازدار، مگر نہ کسی جھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب، کوئی قلق، کوئی بھینپی نہ تھی۔ رونا
دھونا، جزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ تو درکنار دلیں بھی فرسا گھبراہٹ نہ تھانہ گھر کے
اعزہ واقارب کی یا نہ چین کرتی تھی۔ حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب بھانسی کا تھا۔ مولوی
عمر گل صاحب، تو اپنی کوٹھڑی میں رہ رہ کر اپنی گزوں اور گلے کو بھانسی کے لئے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا
عادت ہو جائے اور بھانسی کے وقت ٹیکار کی تکلیف سخت نہ پیش آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ یکہوں کس
قسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں کبھی واہمہ بھی نہیں
گزرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام اور خیال میں شریک نہ ہوتے۔ لہذا الحمد للہ
ہم کو بہت ہی تھوڑے دنوں میں اُن کوٹھڑیوں کے خاص اُلفت ہو گئی تھی جن سے جدائی پر ایک رجب کا قلق تھا
حضرات! یہ مولانا کی کرامت اور اُن کا خاص تصرف روحانی تھا۔ ورنہ کہاں ہم سب کہاں یہ استقلال
غرض کہ چھبیس برس پہلے سید الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولانا کے اظہار لئے گئے اور اسی دن
وہ قید تنہائی یعنی کال کوٹھڑی میں جسکو اہل مصر (دزینہ) کہتے ہیں بند کر دئے گئے اور بروز جمعہ کو (کاتب
الحروف) کو کچری میں بلایا اور مجھے اظہارات لئے گئے میں چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام ہوں
میں نے زمین آسمان کے قلابے بہت کچھ ملائے میل بیان دو دن تک لکھتا رہا اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں
کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو بھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔
شریف کی بغاوت، مسئلہ خلافت کے متعلق، ترک کی حکومت اسلامی علاقے، وغیرہ کی نسبت سب کے
بیان مجدد اللہ ایک ہی رہی کوئی بھی حق کہنے سے نہیں ٹلا۔ البتہ جو دوسرے اتهامات یا اغوا ہیں ان کا منہ
جواب رہے دیا۔ سب سے اخیر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کیلئے تم کوئی مشورہ خریدتے ہو تو غالباً سبوں کے گما

مولانا کی توجہ
اور فکر کا اثر

کہ ہاں شریف کی مدد کیجائے اور سلطان کے لڑائی کیجائے اس میں گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا۔ آخر کار مجھ کو بھی ایک دوسری کوٹھڑی میں جو مولانا کی کوٹھڑی کے بعد بھی رکھا گیا۔ پھر وحید سے انہار لئے گئے اور پھر مولوی عزیز گل جھک سے اخیر میں حکیم نصرت حسین جھکا کو بلایا اور ان کے کہنا کہ میں تمہاری نسبت کچھ ڈائری میں نہیں پاتا انہوں نے کہا کہ جناب میں تو حقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصاً مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہے کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اور جبکہ اصحاب غرض کو ان کے اور ان کے مضافہ اور اغراض ہیں اسلئے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کی گئی ہیں۔ اور میں تو ایک سرکاری مینڈا آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مبتلا رہا ہوں۔ جیمز گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جنکو انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو تو بلا وجہ پکڑ لیا گیا۔ میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجھ کو مولانا کے احوال اور ان کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے، میں بغرض جج وزیر ایتھا۔ بعد از حج بنیت زیارت مدینہ منورہ مولانا کے پاس ٹھہر گیا شریف نے مجھ کو پکڑ کر بھیج دیا۔ شریف کی نسبت اور اسکی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اس کے ناجائز تعلقات کی بڑائی میں انہوں نے خوب تفصیلی بیان کیا مگر بالکل خیر خواہانہ طریقہ پر۔ وہ مقدمہ بازی اور قانون غیر سے واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ آخر کار ان کو بھی کوٹھڑی میں سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ مگر چونکہ کوٹھڑیاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اسلئے امکان چار پائی مولانا مرحوم کی کوٹھڑی میں بیٹھی گئی۔ جس روز وہ وہاں لائے گئے تو انہوں نے ہم سب پر جو واقف ہوئے تھے مولانا کو اجالا لٹائے اور کہا کہ اور باقی رفقا ابھی نہیں کوٹھڑیوں میں ہیں۔ دوسروں وغیرہ میں نہایت بھیجی کی اس وقت مولانا مرحوم کے اندک میں کسی قدر کمی ہوئی۔ اُس روز ان کے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چار پائی پر راحت فرمائی۔ کیونکہ ان چھ سات دنوں تک مولانا نے چار پائی پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چار پائی کے پانچ زمین پر کھل بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور قرآن اور دلائل الخیرات، تسبیح، مراقبہ، نماز وہیں کھل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے۔ مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آگئی آگئی اور نہ ستراحت بالکل نہیں فرمایا۔ ہم سب کوئی نہ ان کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ ہمو دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام یہ سات سات میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبوں پر گندی مگر سب زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی اس کے بعد معاملہ روزانہ آسان ہی ہوتا رہا اس سختی میں کچھ مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی مگر نا تجربہ کاری، خیالات، ہجوم افکار، تغرد، پانخانہ پیشاب کا حبس، وغیرہ وغیرہ باعث تکالیف ہوا۔ کوئی دلی کتنا ہی

کیوں نہ ہو کہ امور طبعیہ بشریہ سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی آزادی، اسلام کی قوت اور ترقی کی دھن میں مولانا نے اپنی جہی اولاد اور جہی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا۔ مگر جو روحی اولاد اس دھن اور اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ اور فاقہ دہی رہی تھی (اگرچہ وہ نالایق تھی) اُن سے قطع نظر کرنا نہایت شاق تھا۔ اُن سے علیحدگی اُن کے نفس پر بہت ہی مضر اور گذرتی تھی۔ بعینہ ایسا حال ہو گیا تھا جیسا کہ ایک شفیق ماں بتک اس کے بچے اس کے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال اور کسی فعل میں ہوں اُسکو طینان رہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھر سستی کے افکار میں مشغول ہوتی ہے مگر جہاں اُن سے جدائی ہو گئی اور وہ تنہا گئی تو دنیا اُس پر اندھیری ہو جاتی ہے۔ اس فتنہ اور تنہائی نے مولانا کے قلب پر بڑا اثر کیا تھا۔ جب ہمیں ان کے بیانات ہو گئے تو ساتویں دن صبح کو ہم سب ہونکو ہوا خوری کیلئے ایک ہی گھنٹہ میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اُس جگہ میں جہاں دُعا پڑھتے تھے بند کیا گیا۔ اس وقت کی خوشی کو نہ پوچھیے جو کہ ہم سب ایک تو نو گرفتار دُعا کے ایسے دفاع سے بالکل نا تجربہ کار تھے تیسرے یہ کہ ہمارے اذہان یہاں تک پہنچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں سے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہے جو تھے اس وقت تک بھی گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اُس فتوے کی مخالفت کی وجہ ہوئی ہو کہ گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہے مگر اُسکو یہاں تک پر خاش اور بدظنی نہیں کہ ہلو حجاز سے پکڑاؤ۔ اس لئے ہم سب ہونے آئیں میں جو کچھ سچ لیا تھا اور اتفاقاً رک پاس کی تھی وہ بھی غلطی کہ ہم سے شریف اور اُس کے افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اُس میں بلا خوف اور بلا ہراس وہ حق جسکو ہم کل کو خداوند اکرم کے سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کر دیں گے۔ باقی وہ امور جنکی نسبت ہم سے یہاں (مصر) میں ظہار کی وقت پوچھا گیا اُن میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک علم تھا تو اس قدر حقیقت کہ گورنمنٹ کو سچ پایا گیا اس لئے نہ تو ان امور کے متعلق آپس میں کہی گفت و شنید کی نوبت آئی اور نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی۔ اب ظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا تو کوئی بھی دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے سکا تا کہ سوچا جاتا۔ اس لئے اس وقت (ظہار کے وقت) جو جسکے سچ میں آیا یا جتنے معلوم تھا کہ لیا گیا۔ اب سب کو یہ فکرا منگی ہوئی کہ نہ معلوم ان امور کی نسبت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے اور دوسرے رفقاء نے کیا کہا ہے۔ مبادا بیان میں تخالف ہو تو مشکل کا سامنا ہو گا خصوصاً

ہم لوگوں کے زیادہ
فکر کی ایک خاص وجہ

حیدر اہل نوع اور ناجز بہ کار تھا۔ اسلئے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کثرت اذکار کی وجہ سے بچاں تھا جو نزد ہم نہ ہو سکا۔ ایک ہی وقت میں ہوا خوری کی جگہ میں داخل کیا گیا سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی اور ایک دوسرے کے بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے سبہوں کے بیانات تقریباً متفق ہیں گو یا لاکھ مشورہ ہوئے ہیں۔ چھوٹوں میں بھی استقلال اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا۔ بلکہ کچھ زیادہ۔ مولوی عزیز گل صاحب حدود کے واقعات، قبائل کے حوال، سید احمد صاحب مرحوم و مغفور کے قافلہ کی خبریں، حاجی مختار (حاجی عبد الغفور صاحب حدود کے بڑے پیر ہیں، وہ اُس زمانہ میں انگلریزی علاقہ سے اپنے اہل عیال کو لیکر یاغستان میں چلے گئے تھے اور وہاں جا کر مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے جمادقا کم کیا ہے) مولوی سیف الرحمن صاحب، مولوی عبد اللہ مختار، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین آسمان کی دہائی تباہی باتیں پوچھیں جبکہ سر تھانہ پیر۔ مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے دلیاتی اکڑنے سے سب کا جواب دیا۔ اور بہت ہی متین جواب دیا۔

الغرض ہم سبہوں کو آپس کے بیانات معلوم کر کے اور یہ کہ کوئی تحالف نہیں ہوا بہت خوشی ہوئی جو کچھ اذکار تھے وہ اُس روز عموماً دور ہو گئے۔ ہر ایک کو ایک جہا طینان کا حامل ہو گیا۔ ہم ہاں کے کماندار جیل سے اپنی ضروریات کے لئے نقد منگاتے تھے جسکو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے۔ اور حسب قول اعلیٰ بقیہ بن سگد ختن بہ۔ "دل کھو لکر مصارف کرتے تھے۔ اسلئے ہمارے ساتھ ان لوگوں اتنی رعایت ضرور ہوئے تھی کہ ہکو اس ہوا خوری کے پتھر میں صبح سے داخل کر دیتے تھے اور شام کو چار بجے تک ملاں ہی چھوڑ دیتے تھے یا کبھی قضاے حاجت کے لئے پاس کے پائخانے میں جانے دیتے تھے چار وغیرہ اور کھانا صبح کا دو میں انہما کر دیدیتے تھے جسکو ہم عموماً مجتمعاً کھاتے تھے جو لوگ جیل کے خواہ منظمہ جماعت یا دیگر غیر سب ان معاملات کو دیکھ کر خیال کئے ہوئے تھے کہ یہ سب ایک گہرانے کے لوگ ہیں اور اتفاقاً سہوئی عمر میں اسی تناسب واقع ہوئی تھیں کہ بلاشبہ سب کو ایک گہرانے کا ہر آدمی خیال کر سکتا تھا۔ پھر معاملہ اور اتحاد اور جی مویہ تھا کسی بات میں اجنبی شخص تغیر نہیں سمجھ سکتا تھا اگرچہ ہم تباہیں لڑتے بھڑتے ہی رہتے تھے مگر نوانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر نہ ظاہر ہوتا تھا اور آئندہ کو باقی رہتا تھا۔ مذتب قاصبت چیز میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف کٹے۔ کچھ دنوں کے بعد ہم سبہوں کو

شہر میں لگے۔ اور ایک جگہ ہم سبوں کا فوٹو لیا گیا۔ کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے۔
 خصوصاً ایام جنگ میں اور پھر ایسروں کے لئے خاص طور سے اسکا اہتمام تھا۔ دوسرے دن ہکو دوسرے
 محکمہ میں لگے جہاں پر ہماری شخصیات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے
 ہکو ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارا ساتھ استقبال میں کیا ہونے والا ہے۔ ہم یہ
 خواہش کرتے تھے کہ ہکو انہیں مجروروں میں ہاں ہی رکھیں مگر دیگر ایسروں کی طرح جیل میں آزاد ہوں +
 میں اب جگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کی حالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے

مصر کی حالت

ہوئے وہاں کی سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں حق گوئی
 اور صداقت پر نظر میں سخت پڑ رہی ہیں مجھ کو خوف ہے کہ یہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمارہ کیا جا سکے اور مضبوطی
 میں اگر مقصد اصلی فوت کر دے۔ اسلئے میں گہرے اور بڑے واقعات اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا
 جن صاحبوں کو ضرورت ہو مصطفیٰ کامل اور فریدیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں۔ مولوی عبدالرزاق صاحب
 ندوی ملیح آبادی نے بھی اپنے رسالہ ترکی اور یورپ میں کچھ اس سلسلہ پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے اور
 محمد الشدھپی بدشی ڈالی ہے۔ خداوند کریم مجھے بڑے خیر دے۔ میں اس مقام پر فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے
 کہ مشرق کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے مدتوں سے فوج ہو رہی ہیں اس سطح
 مہر بھی ہے۔ ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا، تجارتی یا صنعتی حیثیت سے اسکی بہت زیادہ
 ہوئی، سیاسی قوت اس میں کچھ زیادہ پائی گئی، وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بیداری کے
 ساتھ ہلاک کیا گیا۔ اسکی ہاتھ نیرنگ کان دل دماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے
 یورپ کو مثل بادشاہان قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہو۔ اسکی طبع پہلے پادشاہوں سے صد گونہ زیادہ ہے
 وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک یوے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل و عقد اسکی ہاتھ
 میں ہو، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کر لے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صنعتیں بھی غرقہ
 وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہوں یا عملی کمپنیاں سب کسی کے پاس ہوں، وہ
 یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تمدن پر اخلاق ہر ملک کا اس کے زیر نظر اور اسکی راسخ اور اس کے مفید طریقہ پر ہو،
 خواہ ملک کے مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اسی کے قبضہ میں ہو، وہ یہ بھی

چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اُسی کے زیرِ تحویل ہو۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ جلد طرح خوشحالی اور جلد
شعبہائے ترقی اُسی کے ہاتھ میں ہوں دوسری اقوام فقط غلامی کے اُس درجہ میں رہیں جس سے
وہ زندہ رہ کر چوپاؤں کی طرح اسکی خدمت کر سکیں۔ بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہی ہیں کہ
وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گذشتہ زمانہ کی پادشاہتیں جنگی بھیانک تصویر چکوریورپین تاریخیں دکھا رہی ہیں اُن میں اُقدر
یورپ کمالات کہاں تھے؟ یہ تہذیب اور تمدن تو فطرت نے انصاف اور عدل کی دیوہوں، گوری
گوری یورپین مورتوں کے لئے ازل سے رکھ دئے تھے۔ جنکے تقدس کا رات تارخ کے ملائکہ ترقی اور
انسانیت کے آسمانوں پر قیامت تک گایا کرینگے۔ یاتشیں آلات، یہ نہریلے ہتھیار، یہ ہلاک کن کشتیاں،
یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں، یہ قسم قسم کے جوڑ جھانکی کلیں، یہ دم کی گولیاں، فقط انسانی
خدمتوں اور فروعِ بنی آدم کے راحت و آرام کیلئے کیا نہیں بنائی گئی ہیں۔ کیا انہیں سے تمام عالم کی اصلاح
نہیں ہو رہی ہے۔ پہلی لڑائیوں میں ہزار ہزار لاکھ لاکھ مدتوں میں کیسے مقتول ہوتے تھے مگر فیصلہ
ہو جاتا تھا۔ اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں ملائین اور کروڑوں تاک کی نوبتیں آجاتی ہیں اور فیصلہ
نہیں ہوتا۔ پہلے زمانہ میں خرچہ جنگ سیکڑوں اور ہزاروں کی حد میں محدود رہتا تھا۔ اب
ترقی خواہ اور انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کل خرچ دکھلایا جاتا ہے۔ کمانک
اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور ان انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کر کے
آپکے دماغ اور دل کو پریشان کروں۔ اسکے لئے دفاتر کی ضرورت ہے، مقصد سے میں بہت دور جا رہا ہوں
اسلئے معافی کا خواست نگار ہوں۔

جنابِ عالی مصر ایک زرخیز ملک ہے۔ دیہاتیں، وسط افریقہ اور سوڈان کے چشموں اور خوش افقہ
جھیلوں، اور فلک نہا ہماروں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو میراب کرتا ہے اگرچہ رقبہ
اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہے مگر اپنی قابلیت اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایہ
اعتبار رکھتا ہے۔ اُسکے شمالی کنارہ کو بحرِ ہفص (بحر متوسط یا بحیرہ روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور
مشرقی کنارہ کو بحرِ احمر (بحرِ طزم)۔ اسوجہ سے یورپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیا کے مغربی حصوں سے

اسکا خاص تعلق ہو گیا ہے جسکی بنا پر بحری آلات سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اسکا اتصال ہو۔ ادھر
افریقہ کے مغربی اور شمالی اور وسطی جنوبی حصہ سے اسکا تعلق خشکی سے ہے۔ سوریا اور عرب بھی بندہ
خاک کے موئے اسکا اتصال ہو۔ ان وجوہ سے اس کے جغرافی اور طبعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی
ہے۔ پھر جبے آبنائے سوئز (قنال) نکل آئی ہے جسکے ذریعہ سے یورپ کو ہندوستان، فارس،
جزائر جاوا، چین، جاپان، آسٹریلیا، مشرقی افریقہ وغیرہ، سے ہر قسم کے دریائی مختصر اور مفید راستے
ہاتھ آ گئے ہیں۔ اسکی اہمیت یورپین نظروں میں نسبت پہلے کے صد ہا گونہ زیادہ ہو گئی اگرچہ قنال
مصر نے اپنے مفاد کے لئے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اسکی ہلاکی اور بربادی کا ہوا حقیقت
یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہے۔ گورنر مصر حضرت
عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس قنال کی جائز
مانگی تھی تو آپ نے اسکے بڑے عواقب بیان فرما کر اس سے روک دیا تھا۔ آخر کار وہی دیکھنا پڑا کہ
الفاطیہ صریح کا ترجمہ یہی کہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ ورنہ تمھاری عورتوں کو افریقہ خانہ کعبہ کے سامنے سے پکڑ لیجئے
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان عورتیں لڑکیاں بچے خاص مگر معتزلہ اور بیت الحرام کے ارد گرد
سے پکڑ لی گئیں۔ اور کفار میر کر کے ان کو بیگئے۔ اگرچہ انہوں نے شریف اور اس کے لوگوں کے واسطے سے
پکڑا اور پھر جہدہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا۔ مگر ہمیشہ کا تب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج
کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے جو کہ واقع میں فعل کا تب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل سے بادشاہ ابن ہشیر محمد علی پاشا "ابنکیم پاشا" اسماعیل پاشا وغیرہ نے
بہت سی نہریں نکال کر اطراف و جوانب کے ان زمینوں کو سیراب کیا ہے جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا۔ پھر اوپر
کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنوائے ہیں جو کہ بارش کے نیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے
بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اُترا ہوا ہوتا ہے ان تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے
سے آبپاشی کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے غلہ جات، ترکاریاں، میوہ سبجا، وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں مگر
غلہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہے۔ آدھی بھی جفاکش اور قوی ہوتے ہیں
محمد علی پاشا اور اسکی اولاد نے مصر کی ترقی کی نسبت بہت زیادہ تہمت اور کوشش سے

کام لیا مگر یورپین فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا اُس نے ہمیشہ ایسے چکر دئے کہ انسانیت اور تمدن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی جھینٹ چڑھتا پڑا۔ اُسکا بھاری اوتھتی مڑھ بندرگاہ تاحین پر نہایت عدالت اور عافیت انصاف کمال انسانیت کی جس سے تمام بریطانی بائمر البحر نے ڈوبیا اُسکی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبد المجید سے صلح کرانکی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا اُسکا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جسکو مصری اور غیر مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جیکوہ آزادی کے لئے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا۔ اُس سے جدا کر کے خالص بریطانی قرار دیدیا گیا۔ اربابی پارٹ اور رمایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھر دیا گیا اور سپس محنت و نیز محافظت تحت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداحلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دیکھیں چاہتے۔ مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منظم دکھلایا گیا۔ ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار بریطانی رکھنا ضروری قرار دیدیا گیا۔ ہر وزیر اور ہر سرکارے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار بریطانی رکھا گیا۔ جس نے تمام امور کی بالک اپنی ہاتھ میں لیلی۔ مصری مسلمان فقر قضاوت کابٹ اور کات کا اُگور گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۲۱ مسلمان اور ۱۲۱ قبطی عیسائی ہیں اسلئے یہاں پر مختلف پالیسی کی ضرورت خیال کی گئی۔ عموماً محکموں میں عیسائی داخل کئے گئے۔ قبطی، یونانی، اٹالین، فرنج وغیرہ وغیرہ زور دیکر انھوں نے گئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے حکمے ایسے ہو گئے جن میں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا۔ پھر عیسائیوں کو اشتعالک لی گئی کہ وہ مسلمان ملازمین پر اس قسم کے تشددات کریں جنکی وجہ سے وہ خود خارج ہو جائیں اور اگر یہ ہوں تو اُنپر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کئے جائیں جنکی بنا پر ان کو جیل بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہورہا ہے۔ جیلخانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی بیڈ کالشل تک عیسائی اٹالوی تھے جنکی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں ہتھیار تمام سٹکان مصر سے چھین لئے گئے اور ان کا رکنا جرم قرار دیدیا گیا۔ سینس کے غیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ اسلئے تمام سٹکان مصر بے دست و پا اور چوڑی پینٹن والی عورتوں جیسے ہو گئے جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے دغیرہ دلو اور دوسرے طریقوں سے ممانیتیں کر کے ان کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جسکی بنا پر تمام مصر میں بڑا جھگڑا تجارت اور

نیز کارخانوں وغیرہ کا یورپین اور سچی قوموں کے ہاتھ میں ہو۔

مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنے کی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی۔ اُن میں بد مذہبی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متوکل لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو گئے۔ مگر ساتھ ہی اُسکے اس طبقہ میں قومیت کا خیال یورپ کی قسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا۔ اسماعیلیتہ لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈالکر اُن کو قومی افکار اور ملکی ترقی سے غفلت رکھا ہی نہیں گیا بلکہ اُن کو عربی وطن کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے اُن کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی گئی۔ اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی سپرٹ نہایت زور سے بکھیری گئی۔ عام کاشتکاروں سے ایسی پالیسی اختیار کی گئی جس سے دیکھ کر اُن کو خاندانِ مملوئی اور مصری حُکام سے سخت نفرت ہو گئی اور اسی کی ابتک کوشش کجا رہی ہے۔ عام اہل شہر و مصری چھوٹے حُکام کے ذریعہ سے تشدداتِ بیجاہ معاملہ میں کرائے گئے۔ پھر انگریز کابینہ برٹش افسر تک پہنچ گئی تو ان پر مزاحم خضرانہ برسات گئے مصری حُکام کو تنبیہ کی گئی جس کی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانوی حُکام نہایت رحیم و عادل ہیں۔ جو کچھ مظالم ہم پر کئے دن ہوتے اور تشدد عمل میں رہی ہیں وہ سب مصری حُکام کی جانب سے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوستان میں بھی عمل میں آ رہا ہے۔ پنجاب وغیرہ کے مظالم جدید اور قدیم اسکے شاہد ہیں۔ چنانچہ مجھے بھی اظہار کی وقت ایک مقام پر مسٹر تلک وغیرہ کے تذکرہ میں جیزہ میں مسٹر تلک نے کہا کہ ہندوستانی ہکو پلنگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کو تشددات اور مظالم کئے تھے یا کہ ہندوستانی حُکام کرتے تھے؟ تعجب ہے ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حُکام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں۔ بلا اشارہ انگریز حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے۔ ان کا تو دین ایمان دنیا اور آخرت انگریزوں کی اطاعت نہیں نہیں بلکہ اُن کی خوشنودی حاصل کرنا ہی۔ ان کا مذہب نہیں ہے کہ خلافِ علم نہ کیا جاسے ان کا مذہب تو یہ ہے کہ انگریز کے خلاف منشا کرنا سخت حرام اور کبیرہ گناہ بلکہ کفر ہے۔ خواہ دین جاگو یا رہو خواہ خدا را معنی ہو یا ناراض، خواہ قوم و وطن برباد ہو یا آباد، مگر چونکہ انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں ہی رہی ہے کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو۔ رعایا پر رعب۔ قتل و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں۔ انہیں پسند الزام رہی۔ ہم پاکدامنی سترے بنے ہوئے بسے خون چوستے رہیں۔ اگر ہم تک

شکایت پہنچے تو ہم اس سے تیزی ظاہر کر دیں۔ اسلئے یہی پالیسی عصر میں بھی اختیار کی گئی۔
علاوہ اسکے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلبکار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے
بڑے مظالم کریں۔

بیچ بیفہ جو سلطان ستم روا دارد ز نذر لشکر یا نش کباب مرغ بسنج
الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کے مینا میٹ کرنے کی کوشش
کی جا رہی ہیں۔ مصالیف اس قدر بڑھا دئے گئے ہیں کہ آمدنی سے قرضہ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اسکا سنبھالنا
ادا ہونا مشکل اور دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اگر کسی کچھ جمع ہو گیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خریدوائیں
جنکی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار ہے ان سے نفع اٹھانا تو درکنار۔
اسکے علاوہ مسیخوں و سچیدگیاں الی گئی ہیں اور والی جا رہی ہیں۔ جن سے ہم اپنی رسالہ کو ناپاک
کرنا نہیں چاہتے۔

من حال ابن ابد با خلق نخواستہ گفت کہ اس وقت اگر گویم با چنگاٹ باب اولی
مصر کے مدت قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہیکو بعض کتابیں بھی لادی
تھیں جنکی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی۔ ہمارا اسباب ہاں کھولا گیا۔ جو ضنا کپڑے تھے وہ چھوڑ دئے گئے
باقی سب بھینڈ میں (ڈسین فیکٹ) کیلئے بھیجے گئے۔ دوائیں ستر وغیرہ ضائع کر دی گئیں۔ ایام قیام نہ نزنہ
(کال کوٹھڑی) میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے۔ کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری
طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ اپنے سیلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض متعلہ اسبوں سے وصول کیا
۵ افروری ۱۹۰۶ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو مولانا مرتضیٰ علیہ کو ایک ماہ گزر جانیکے
بعد مقل (جیل) کے کمانڈر برنس حاکم نے جلائے کیا کہ کل تم مارے بھیجے جاؤ گے ضروری
سامان کرو اور تیار ہو جاؤ۔ ہم نے دوا شرفیاں طلب کیں اور ان کو بھنوا کر جو کچھ چار وغیرہ کے اخراجات کا
ہم پر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ذبیحہ گنی کی تفاریق ساتھ کھی۔ صبح کی وقت ۱۶ فروری مطابق ۲۴
ربیع الثانی کو ہکو گوروں کی کارہ کی حفاظت میں موٹر پر بٹھا کر مت سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پہنچا دیا گیا
اور اسی وقت تھرڈ کلاس میں کارہ کی سنگینی حفاظت میں ہکو اسکندریہ پہنچا دیا گیا۔ تقریباً ایک بجے اسی دن

اسکندر نے اپنے اسی وقت بند موڑ لایا اور اس نے ہمارے ہیکو انڈیشن سے گزری پر پہنچا دیا گیا۔ ہمارے پر ہوا
 ہونے کا حکم ہوا۔ ہمارے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چار پائیاں لگی ہوئی تھیں اور
 آپرنگ سے اور گھل پر سے ہونے تھے اور بیچ میں لابی میز بھی ہوئی تھی اس میں داخل کر دیا گیا۔ اس کمرے
 باہر کی نظریاں بن سے ہوا اور روشنی اسکی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیا وکس۔ مضبوط تختوں سے جڑ بھی رہ گئی تھی
 وہاں سے پردے میں گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا ہم نے جائز پانچ چار پائیوں پر ایک طرف
 قبضہ کر لیا۔ اس کے آخر میں ایک کمرہ الیابھی تھا جہیں پانچ خانہ اور غلخانہ بھی تھا جہیں بیٹیاں پانی موجود تھا
 تھوڑا ہی عرصہ ہلو گزرا تھا کہ بہت تری فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے افسروں کو بچنے کے
 خاص کمرے میں جو کہ سکندریا فٹ کے تھے رکھا گیا۔ اور سپاہیوں کو جنگی تعداد تقریباً
 پندرہ سو لہ تھی ہمارے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔ چونکہ تو اعداد سارے میں یہ کہ جب کوئی
 فوجی افسر اسیر ہو تو اسکو اسکی حسب نشانیاں اور فوجی دیا جاتا ہے اسلئے یہ سپاہی ان افسروں کے خدام تھے
 جو کہ سب سلمان اور نیک مزاج تھے اور عموماً تری سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں۔ یہ حسب داخل ہوتے
 اور حضرت مولانا رحمہ کو دکھیا تو نہایت احترام سے پیش آئے۔ انہوں نے ہماری چار پائیوں سے تعزیر نہیں کیا
 بلکہ خود باقی ماندہ چار پائیوں پر قابض ہو گئے چونکہ وہ عدد میں کم تھیں اسلئے ایک ایک پردہ دو قابض
 ہوئے۔ یہ آپس میں ٹھیکتے اور گاتے اور شتی کرتے تا بیاں غیرہ بجاتے تھے۔ جبکہ دیکھنے کے لئے انگریزی
 گورے سپاہی جمع ہو جاتے تھے۔ ان کو دیکھ کر یہ سب زیادہ گاتے اور کہتے تھے۔ پھر بعد کو دو تین شخص
 حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپکی حیرت کر رہے ہیں کہ آپ کے سامنے گاتے
 اور کہتے اور ناچتے ہیں۔ مگر کیا کر رہے ہیں کہ کافر کے ہاتھ میں ہم اسیر ہو گئے ہیں اگر ہم باادب بٹھیں تو
 یہ کافر خوش ہوں گے اور ہلو بخیرہ اور غلیگن خیال کرینگے اسلئے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم بجزیدگی بتلانے کے
 لئے لپکتے گاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کو دو اور گاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت مجھے

جب شام کا وقت قریب آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور
 کھانے کا تذکرہ حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اسلئے
 کہنا کہ اگر تم ہمارا کھانا پیتا ہو اکھاؤ تو حاضر ہے انہوں نے حضرت حمزہ اللہ علیہ سے پوچھ کر جاننا

ترکی افسروں اور
 سپاہیوں کی آہ

جہاں میں
 کاٹھن

کر تھا۔ گوشت اور تھار اچھا ہوا سارن ہم نہیں کھا سکتے تو اسے کما کر سی خیال سے ہکو تھا کئے یہاں سے
 مالہ تک کیلے جنس دیہی تھی ہے اسکو لیا د اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مالہ تاکو اور کوئی چیز نہیں ملے گی
 جہاز کا باور چیخا نہ بتا دیا کہ یہاں پکا لیا کرو اور باورچی سے کہہ دیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں ان کو مت روکو
 چونکہ اٹے کے پکائے میں دقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں ششدری کوئی قباحہ تھی اسلئے اس سے
 کہا گیا کہ ہم تمھاری پکی ہوئی روٹی لے میں گے فقط سارن اور چار وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اس پر راضی ہو گیا
 اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح دسٹام دینے کا حکم کر دیا۔ باقی جنس اٹھا لائے جس میں چنے کی دال، آلو،
 اڑو کی دال، گھی، مچھر، دھنیا، ہلدی، چار، کرک، چانول، وغیرہ تھی۔ چونکہ ہمارے پاس تمام سامان
 پکائے کا موجود تھا اور قدر سے جس بھی اپنی وجود تھی اسلئے اپنی دیکھو میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید
 جاہیکھانا پکالاتے تھے اور ایک جگہ جمع ہو کر کھا لیتے تھے۔ وہ تمام جنس مالہ تک ہم ختم کر کے باقیانہ جہاز
 ہی پر چھوڑ کر اتر گئے۔

جہاز کی روانگی | اسی روز شام کو یعنی ۱۶ فروری ۱۹۶۱ء کو جہاز اسکندریہ سے روانہ
 ہوا اسلئے آگے آگے ایک جنگی جہاز کرورسکی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی کبھی اوربائیں
 بھی چکر لگاتا تھا۔ اسی بہت بڑا سبب بورڈنگا ہوا تھا جس میں جلی قلم سے لکھا ہوا تھا کہ اس جہاز میں زخمی اور
 مریض سپاہی ہیں۔ مابین جنگ نہیں ہے۔ کیونکہ جرمنی ہم نہیں اس زمانہ میں بحر سفید میں بھی اگلوٹوں کو غرق
 کر رہی تھیں۔ خود اسکندریہ کے بندر پر چند دن پہلے ایک کبوتر غرق کر چکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں
 کو ایذا پہنچانا انسانیت اور معاہدات ۱۰ دہ کے خلاف تھا اسلئے ان سے تعرض نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ پہلے
 تو تمام جہازوں اور دیگر جاندار کو گولوں کے جہاز دسٹام کی تعرض نہیں کرتی تھیں فقط درجہ تجارتی کے جنگی
 اور ان جہازوں سے تعرض کو قی نہیں جبہ فوج یا سامان جنگ ہو مگر سب بڑا سبب اسے اپنے جنگی جہازوں اور
 فوجی سامان کو ہتھیاری اگلوٹوں میں لچکانا اور غیر جانبدار باوٹوں کے آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا
 تو اسنے اعلان کر کے سبھوں کو ڈبونا شروع کر دیا تھا جسکی بنا پر اسکو دشمنی غیر متدن بنایا جا رہا تھا۔
 یہ وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندریں باس و بلا خوف سفر نہیں کر سکتا تھا۔

جہازیں ہونڈی دقت تھیں | جب ہمارا جہاز شب کو اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہو گیا تو تھوڑے ہی عرصے

کے بعد ہر ایک شخص کو گاگ (جسکی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے) کی سیٹیاں دیکھیں۔ سیٹیاں گاگ کی کٹڑیوں کے ٹکڑے سے جو کہ کٹڑوں میں سی اور چڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے۔ ہسٹے کی وجہ سے آدمی ۴۴ گھنٹہ یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا۔ اور پھر جتنے آدمی اس انگوٹ میں تھے خواہ جہاز راں یا فوجی یا امیر و غیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دئے گئے اور کب کشتیوں کے نمبر اور جگہ بتادی گئی۔ (ہر جہاز پر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی جاتی ہیں کہ اگر کبیس ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لئے وہ کشتیاں کھول لی جائیں ناکہ اس میں ٹھکر وہ کنارے اور خشکی تک جاسکیں) اور کہدیا گیا کہ جب جی ہو ہر شخص اپنی سیٹیوں کو گلے میں ڈال دالکر اپنی اپنی کشتی پر بلاتا خیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات۔ کسی وقت ان سیٹیوں کو اپنے سے دور نہ کرو چنانچہ انگریزی فسر وغیرہ ان کو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتیٰ کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی ان کی یہی حالت تھی۔ کثرت خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے۔ اسکے لئے امتحان بار بار۔

یوگیا اور سیٹیاں دی گئیں ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے خندان و جو خاص تبرکات اپنے اکابر کے تھے بانٹ لئے باس وجہ کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون کون سے تبرکات بچے اسلئے ہر ایک ایک ایک تبرک اپنی پاس رکھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قطب العالم اجماع امام احمد رضا صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء الفضلہ مولانا شمس احمد صاحب شمس الاسلام صاحب خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دئے اور خود بھی اپنے پاس رکھا۔ کاتب الحروف کو حضرت مولانا انگلوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی رودی دہ دہ کری عنایت فرمائی جو کہ بوقت وصال آپ کے جہم مبارک پر تھی مانتا پو پونچنے کے بعد جب سب تبرکات پس ہوئے اسکو میں نے داپس نہیں کیا بلکہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہدیا کہ کمو میں پس نہ کرونگا۔ آپ نے بھی کچھ امر اسے فرمایا۔ اور بعضے اولیٰ قیمتی لباس بھی دیدئے کہ سردی کا زمانہ آگشتی میں اس قدر سے تحفظ بھی ہوگا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کے لئے تیار رہے۔ لوگوں کو رات دن ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سمرن جہاز پر گولہ پھینکے۔ بعضے مقالات تو بہت زیادہ

نظرہ کے گز سے گریا یا نہ نہ لانا نہ اسد علیہ پر کسی قسم کا گھبرائے اور اضطراب کا انداز نہ تھا۔ ہم سبہر کے قلوب پر بھی اُن کی برکت سے اطمینان تھا۔ اسی طرح سے چار دن برابر گزر گئے۔

ترکی فرس جو کثرت اور سیکند میں تھے اور صبح کو تو انوری کو آتے تھے اسوقت ہمارے بھی کردہ ترک فرس اکھول دیا جاتا تھا ہم بھی ہو انوری کو نکالے جاتے تھے۔ اُن لوگوں نے ہندوستانی شخص اسیر و مکملہ تہجیب کیا چونکہ پہلے سے اُن لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی اسلئے انہوں نے ہلکا دوسم سے اُن کو تفصیلی پتہ اور وجہ کے ذکر کرنے کی تکلیف دی۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ فرس غوما فوجی تھے بعض کر نیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لفٹننٹ کپتان وغیرہ جو کہ عراق میں حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور اسکندریہ میں کپتانی سبزیں اسیر کئے گئے تھے۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہودیہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے اُن کو ورنڈا تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اسکے لئے دو طریقہ خاص طور سے نکالے گئے تھے اول تو عربوں کو توڑا گیا اور سب افراد کو کہا گیا کہ ہم تمہاری استقلال کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ شریف کو ہرقسم کی مدد پہنچا رہو جن تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ۔ وہاں تم کو تنخواہ ملیگی اسارت آزاد دی ہوگی۔ اُسکے ساتھ ملکر مرو اور ترکوں کو پس پار کے اپنے ملک کو آزاد کرادو۔ چنانچہ اس طریقہ سے ہزاروں سپاہیوں اور افراد کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان اور پور وغیرہ بربنا، مسیدی، بشر، اس البین وغیرہ وغیرہ بھیلا اور پھیل کر لایا گیا اور شریف کی فوجوں میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع کیلئے اسارت نظام کے لالچ کو ترک کر کے بھلائی ہوئی غارت خانہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفہ اسلام کے مقابلہ کیلئے تیار ہو جاتی تھی مگر اسکے لئے صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ شریف کے ہم ذلیل لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے اُن کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر جھگڑتے اور توڑتے رہتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس فرسوں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا کیونکہ مصر میں جنگ کے پہلے سے ایک جہت توڑاؤ میں موجود تھی جو کہ حکومت ترکی نے خلاف تھی یا اسوج سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ فارسی تھی یا اسکو جلا وطن کر دیا گیا تھا یا وہ اختلاف پائی کی تھی اس جماعت یا برٹش افراد نے اپنے مقاصد کیلئے آرا بیا کر ترکی، فرس کو توڑنے اور ہندو ترک افواج اُن لوگوں کو

مجھے تھے۔ حقیقت میں اس ناپاک فعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہنچایا۔ چونکہ یہ معاملہ مسئلہ اپنے
 بھگنے کا اسیروں کے کہوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا۔ اور انگریزی فسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے
 تھے تو ترکی اور بہت عربی فرائض، عزت، حیثیت، دیانت، اسلام، اتھا اسکی سخت مخالفت کرتے تھے
 اور جس شخص کو ادنیٰ درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اسکو سمجھاتے بوجھاتے اور اگر
 اسپر بھی باز آتا تو سختی کرتے تھے جسکی وجہ پریش کو کششیں ناکام ہوتی تھیں اسلئے ایسے لوگوں کو جن
 جن کو یکبارگی مالہ بھیج دیا گیا تاکہ پھر اپنے جال پھیلا سنے کی پوری قوت ہاتھ آجائے۔ مالہ میں بہرہ
 سیاسی بھیجا جاتا تھا نہ اسیر نوچی بلکہ جنکو گورنمنٹ زیادہ خطر ناک خیال کرتی تھی ان کو دیاں بھیجتی تھی
 ان ترکی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا اور جب تک
 مالہ میں ہے بہت زیادہ الفت اور مودت سے ملتے رہے۔

ہماز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء بمطابق
 ۱۹ رجب الثانی ۱۳۳۶ھ کو مالہ میں نگر انداز ہوا۔ مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے
 اترنے کی خبر نہیں ہوئی۔ چار بجے کے بعد ہمارے گئے اول ترکی افسر اور سپاہی اور سے پھر ہکو اترنے کا
 حکم ہوا۔ ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم ان کے سامان اتر دو انہوں ہاتھوں ہاتھ ہمارا
 سامان اتار دیا اور پھر کنارے پر پہنچ کر افسروں کو دو ستر راستہ سے موڑ پر ان کے جائے قیام یعنی وال فٹ
 پر بھیج دیا اور حضرت ولایت رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر جو اتارنے کے لئے آیا تھا اپنے ساتھ اس کے
 پر بٹھائے لے گیا۔ باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کپ تک گئے۔ ہمارا اسباب موڑ پر گیا۔ مولانا
 چونکہ ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے اسلئے ان کو ہم سے پہلے روگیت کمپ میں جہاں پر ہمارا قیام کے لئے شیخ
 نصیب گئے تھے داخل کر دیا گیا۔ رستہ میں اہل شہر اور ان کے لڑکے غور میں ہماری مہارت پر خوشیاں مناتے
 تھے۔ مذاق اڑاتے تھے اور جہنم کے جہنم پر سے باز سے ہوئے تماشا دیکھتے تھے۔ کیونکہ سب عیسائی
 تھے، ان کو مسلمانوں کے اسیر ہونے کی بہت زیادہ خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ ہمارے آگوت کو دکائیں
 اور شام کے وقت ہم سب اتارے گئے تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشا دیکھنے کے لئے رستہ میں
 آجائیں۔ بہت ان کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دیدار اور مسلمانوں اور ان کے متفق ملکوں کا نصف ظلم

مسلمانوں کی پوری طرح تباہ ہو کر رہ گئی تھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا مگر کم جب ایسی صورت ہوتی تھی تو بھلا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آجاتا تھا

میرا ایک کھیل خلقت نے بنایا
تاشے کو بھی تو لسیہ کس نے آیا

ماں کی ساری بچہ
اور اس کی تفصیل

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم سکی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں اس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پر تکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور فیروں کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا

اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں ملحوظ تھیں۔ ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور فیروں کی یہاں ہوتی تھی ایام جنگ میں جبکہ خوفناک سیروں کیلئے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوتی اس وقت اس قلعہ کو خالی کر لیا گیا۔ اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصے کر لئے گئے اور ہر ایک حصے کیلئے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام اور مکان بھی تجویز کر لئے گئے۔ روگٹ کمپ سینٹ کلیمٹ یاجرمن کمپ۔ بلغار کمپ روم کمپ سینٹ کلیمٹ برائس یا عرب کمپ۔ ورتوالہ برائس۔ وائل فرسٹ بیٹورڈ والہ۔ روگٹ کمپ قلعہ کی نیند میں دروازہ قلعہ پر واقع تھا۔ اس میں اور عرب کمپ میں مسلمان سولین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے۔ مگر سول (ملکی) اور میٹری (فوجی) افسروں کے لئے یہ دونوں کمپ نہیں تھے۔ روگٹ کمپ میں رہنے کیلئے فقط خیمے تھے۔ البتہ مطبخ، باورچی خانہ، غسل خانہ، پانی کا نل، وغیرہ ایک بختہ عمارت میں تھا جہاں سپاہیوں کے ذریعہ سے جانا جاتا تھا۔ پانچائے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے سینٹ کلیمٹ یاجرمن کمپ یہ بھی کہلا ہوا میدان تھا اس میں عموماً خیمے نصب تھے اس میں جرمنی اسٹریٹ سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی فیر خود غیبت سے یہاں آتا چاہتا تھا تو اس کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ علاوہ جرمن اور اسٹریٹ کے دوسری قومیں بھی اس میں تھیں لیکن غالباً غرض ان میں دونوں کا تھا جن میں جرمنی زیادہ تھے۔ افسر اور سپاہیوں کے سولین کم تھے۔ بلغار کمپ اور روم کمپ اور جرمن کمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا البتہ باورچی خانے بختہ بنے ہوئے تھے۔ پانچائوں پر میں پڑا ہوا تھا۔ پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کی جگہ بھی بختہ بنی ہوئی تھی۔ سینٹ کلیمٹ برائس یا عرب کمپ یہ مسلمان سولین اور فوجی معمولی لوگوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ پانچائی میں واقع تھا۔ بہت سی میٹریاں اور ترکر آنا جوتا تھا۔ اس میں سب عمارتیں تھیں

دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی۔ اسکے متعلق میر کیلئے ایک پہاڑ تھا۔ جو کہ فساد کی جگہ تھی اسکی عمارتیں بھی
 تھیں مگر بجائی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجہ کمروں کی طرح آرام کے سبب غنیمت
 ہونے کی وجہ سے یہاں پر انہوں کو نہیں رکھا جاتا تھا۔ ورنہ اگر اس پر دو منتر لکھتے تھے اسکی عمارت
 عمارت نہایت عمدہ اور پر تکلف تھی راحت کے سامان مہیا تھے۔ اسکا بڑا حصہ جو وسعت میں واقع تھا وہ
 افسروں اور بڑے بڑے سولین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا۔ ہر کمرہ میں تین تین چار چار پائیاں تھیں
 اور اسکا اخیر کا حصہ معمولی فوجیوں اور سولین لوگوں کے لئے تھا۔ اس کمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب
 کی خصوصیت نہ تھی۔ و آل فرشتہ۔ مدد قلعہ سے باہر مگر متصل تھا۔ تین طبقہ دار عمارت تھی۔ اسکے کمرے والہ
 کے کمرے بہت زیادہ آرام کے تھے۔ ہر کمرہ کے ساتھ باورچی خانہ، غسل خانہ، بیانی کا نل، کمرے گرم کرنے کا
 حاتم ادبیروں کمرہ مکلف پانچواں تھا۔ یہ بھی انہوں کیلئے مخصوص تھا۔ یہ ورنہ بھی مکلف اسی کے مثل تھا۔
 گنرا میں فقط دو طبقہ تھے۔

و آل فرشتہ۔ ورنہ اگر اس سینٹ کلیت میں ایک ایک بڑی دوکان تھی جسکو حکم تھا
 کہوں میں کائیں کہلہ فرو ریات شہر لاکر مہیا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان تھی جو کہ موسمی تر کیا یا
 اور میوے لائیکا ذمہ دار تھا۔ یہ دوکانیں اول تو جرمن لوگوں نے شرکت سے کھولی تھیں اور شہر کے بعض
 تاجر اسکے بھینٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب چیزیں بھیجتے تھے۔ ان دوکانوں کے لئے گورنمنٹ نے جو مکان
 ان کیسروں کو اندرون کرپے تھے ان کا کرایہ تھی اور پھر نفع میں بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح
 جہزی فروش جسے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورنمنٹ کا قاعدہ ہے اسکو کچھ چیزیں بہت سارے
 پرتی تھیں۔ دیکھو کہ شہر میں بھینٹ کو بھی اپنی اپنی محنت اور کوشش وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا۔ پھر گورنمنٹ
 کو کرایہ مکان بلور اسکا حق دینا پڑتا تھا۔ پر جو دوکان میں کام کرے تھے ان کی تنخواہیں دینی پرتی تھیں
 پھر جو اہل شرکت تھے ان کو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ پھر اس میں بھی تھا اگر ہوا نفع میں سے فیصدی ایک
 مقدار نکال کر سینا میٹس پر تقسیم کی جاتی تھی کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں تھیں جنکے پاس کوئی آمدنی ان کے وطن سے
 نہ تھی اور نہ ان کے پاس نقد تھا۔ ان کو سگرت چاہتے تھے وغیرہ کے لئے سمٹ ضرورت ہوتی تھی اس لئے
 ان کی اعانت کرنی ضروری ہوتی تھی۔ اسلئے بلا تیر قومیت اور مذہب برابر وہ حصہ نفع میں سے تقسیم

ایسا ہوتا تھا جو کہ فی کس ماہور و مشہور یا اس سے کچھ اہم پڑتا تھا مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ
 دو گوں کو نقد بتا دیا جاتا تھا۔ اس مقدار میں ہر چیز چاہیں خریدیں۔ ایسا تھا کہ ہر حالت میں
 پھر گورنمنٹ کو نقد رفع بھی اس بار کا گوارا نہیں ہوا اس لئے اس جرعی کمپنی کو اعلان دیا کہ قرضین یعنی دوکان
 کو ہم فلاں تاریخ سے اپنے زیر تحویل کر لیں گے چنانچہ اس روز سے پھر گورنمنٹی عینہ بڑے کی طرف سے مامور آئے
 اور جملہ اشیاء موجودہ قرضین سابق کو خرید کر کھینچے قبضہ میں کر لیا اور پھر دوکانیں گورنمنٹی ہو گئیں۔ البتہ سبزی
 کی دوکان پر گورنمنٹی قبضہ نہیں ہوا ۴

ان کمپنیوں کے درمیان میں آفس تھا جس میں کمانڈر اسرار ایک فسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں نیل
 آفس رہتا تھا اس کے زیر اثر ایک ذخیرہ اور کپتان وغیرہ رہتے تھے جو کہ اسرار کے معاملات کی
 نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے۔ چونکہ یہ سب اسرار جنگ تھا اس لئے ان کی ضروریات فوجی خزانے کے متعلق تھیں
 اس آفس میں مختلف میٹھے کا تھوں سے وغیرہ کے بھی تھے۔ روزانہ ایک فسر سینٹ کلیمٹ میں اور ایک والد
 میں چند گھنٹہ کے لئے جا کر بیٹھا اور سہار کی ضروریات اور سریسوں پر نظر دیتا تھا۔ اور پھر اسے متعلق
 کمپنیوں میں گشت بھی لگاتا تھا۔ اگر کسی کو اس سے یا بڑے فسر سے کچھ کہنا ہو تو پہلے ایک ان سرخی میں کرنا
 ہوتا تھا کہ مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگلے دن وہ بلا یا جاتا تھا اور اس کی ضروریات کے متعلق من سب انتظام
 کیسا جاتا تھا ۴

اس جلا سارت کاو کے متعلق دو شفا خانے بھی تھے ایک معمولی شفا خانہ جو بڑے کمپنی
 سینٹ کلیمٹ میں واقع تھا جس میں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آکر بیٹھتا تھا اور بیماروں کو آکر دیکھتا تھا۔
 معمولی بیماروں کو دو ادید تیا تھا اور اگر مرض شدید ہو یا بیمار کیلئے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی
 گئی تو جنرل ملری شفا خانہ میں بھیج دیتا تھا جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا۔ معمولی چال میں دس سنٹ
 میں آدمی دہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے
 لئے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا۔ جسے اوپر سے آگے ان کے لئے مخصوص تھے۔ ان میں تمام ضروریات اور رحمت
 کے سامان حسب قاعدہ ملتی اور وہیں طریقہ پر موجود رہتی تھیں اور وہیں لوگوں کے لئے نیچے بہت بڑی
 ہال بنی ہوئی تھی اس میں سویل اور فوجی سپاہی برابر رکھ جاتے تھے تقریباً چالیس آدمیوں کی چار پانچ

اس میں کچھ سکتی تھیں کمپوڈری اور دیگر خدمات ان دونوں جگہوں میں اور بین میں نوبت بہ نوبت انجام دیتی تھیں۔ بالائی اور زائر کاروبار اور سفائی کیلئے دوسرے مزدوروں میں نوکر تھیں۔ مریضوں کی خبر گیری اور ان کی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی کا کام لیا جاتا تھا۔

مریض کے ہسپتال میں جانیکے پندرہ دن بعد مریض کی خواہش پر جن حساب سے وہ ملنا چاہے وہ جمع یا بار کو ان کا نام لکھوا دے ان لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دی جاتی تھی اور دو شنبہ کے دن بجے ان لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لے جاتے تھے محافظ فوجی ساتھ

مریضوں کے لئے کا

قاعدہ

ساتھ ہوتے تھے آدھا گھنٹہ مریضوں کے پاس بھیکر خدمت ہو جاتے تھے پھر اسی طرح ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دو شنبہ کے دن ملاقات ہو سکتی تھی۔ یہ عام قانون تھا البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو تو وہ علیحدہ بات تھی۔ مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری اشیاء کے کپے منگوانے کا بھی طریقہ بذریعہ افسرین ہسپتال آفس تھا۔ ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکہ دار کی دوکان تھی جہاں پر عموماً ضروریات کی چیزیں جنگی ڈاکٹر کی طرف سے تیار ہو کر مریض خریدا سکتا تھا۔ ہسپتال کے دروازہ اور اطراف پر پہرہ فوجی رہتا تھا۔ مگر بہت سے لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بنا کر وہاں رہنا پسند کرتے تھے کیونکہ خوراک کا انتظام وہاں اچھا تھا۔ اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ بھی تھا جہاں چونکہ اسیروں کے تخیلات اور ادب ان کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں (اس جنگ عمومی کے زمانہ میں یہ حالت زیادہ پیدا ہو گئی تھی) اسلئے عموماً نامی حالت ہر ایک شخص کی جادہ استقامت پر نہیں رہ سکتی۔ پھر فوجیوں کو اپنے افکار و نظریاتی سلطنت اپنی قوم اور ملک کے مستقبل کی بحیثیت بحالت مغلوبیت بہت ستاتی تھی۔ تاجروں کو ان کے تمام تجارتی مال کا مصارفہ ہو جانا جس قدر ان کے دل و دماغ کو ناکارہ کرنے کم نہیں راہبر ہر امیر کو اپنی مدت اسارت معلوم نہیں۔ اس جنگ کا ناخواہ وہ بلیٹری ہوں یا سولین فقط مباد کہ پر نجات پا سکتے ہیں یا صلح پر اور یہ دونوں حالتیں غیر معین وقت کی خواہاں ہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور دیگر وجوہ شخصیت وغیرہ سے دماغ پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضعیف دماغ والا آدمی بسا اوقات مجنون ہو جاتا ہے متعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپ کو پھانسی دیدی بعض نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور پاگل تو بہت ہو گئے تھے۔ اسلئے پاگل خانہ کا بھی استراگاہ کیلئے

دروازے کا محافظ بغیر اسکے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا افسر اور نہایت معزز سویلین آدمیوں کی گنتی اُن کے
جائے قیام پر ہوتی تھی اُن کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہوتا تھا
اور جب تک اس سے فراغت نہ ہوا پانی جگہ سے نہیں نکلتا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی گنتی اُن کے قیام گاہ
میں ہوتی تھی۔ بڑے کمپوں میں چونکہ تمام افراد کو درس کپ کے لئے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص مدرسہ مقرر
تھا اسلئے ایسے اُن چھ آدمیوں کو ضروری ہوتا تھا کہ اپنے ناموں کو اس کا گذر ہو جو کہ کپ کے صدر کمیٹی کے پاس
ہوتا تھا یا اسکے انتظام سے روزانہ کمپنیاں کر دیا جاتا تھا لکھیں۔ وہ بوقت اجازت روانگی سب کے
نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا تھا اور اُن کو کمپ مقصود میں پہنچاتا تھا۔

ہفتہ میں دو دن یعنی دو شنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھانا لکھا دیا جاتا تھا
ڈاک کا انتظام جو کہ طویل میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس طویل
ورق پر ایک خاص قسم کا سپریم صاف چڑھا ہوا ہوتا تھا جسکی وجہ کوئی خفیہ کتابت بہتر نہیں ہو سکتی تھی اس
سطر میں سیاہ پڑی ہوتی تھیں اُن پر لکھنا ہوتا تھا دو شنبہ اور جمعرات کو گنتی والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو
لکھے ہوئے لفافے دیدے جاتے تھے اور سادے لفافے ملجاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو
اُسکو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً پکتے تھے تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا۔ ڈاکخانہ کی
اہمیت اُن لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جلتے تھے۔ اولایہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس
میں جاتے تھے جس میں مختلف زبانوں کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے۔ وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے
تھے۔ اگر کوئی بات خلاف سیاست پاتے تھے تو یا تو اُسکو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو بھار ڈالتے تھے
مگر چونکہ وہاں اردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا اسلئے ہمارے خطوط مفر یا بمبی میں سنسر ہوتے تھے۔ جو دول اتحاد
تھیں اُن کے خطوط کیلئے مشترک مرکز سویڈر لینڈ میں تھا جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے اور
پھر آپس میں مبادلہ ہوتا تھا۔ وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمائندے اور افسر موجود رہتے تھے۔ اسٹرا کے
جو خطوط آتے تھے اُن کے لئے کوئی مقدار معین نہ تھی وہ بھی لکھے ہوئے آتے تھے اُن کا بھی سنسر ہوا
ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے ہی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اسکے بعد اس ڈاکخانہ میں
یہ خطوط بھیج دیے جاتے تھے جسکو خود اہل کمپن کے قائم کر رکھا تھا۔ ہر بڑے کمپ میں جیسا کہ انتظام صدر کمیٹی کا

تھا ایسے ہی اہل کپ کی طرف سے ڈاکخانہ کا انتظام تھا اہل کپ پانچویں سے ایک یا زیادہ آدمیوں
 باہر اور انتخاب کرتے تھے جو کہ نوبت بنوے اس کام کو انجام دیتا تھا۔ جتنے خطوط اس کے پاس آفس سے
 آتے تھے ان کو وہ تقسیم کرتا تھا اس طرح کہ اسباب خطوط کے نام لکھ کر ایک پرچہ پر پشتہار کی اس جگہ میں ہاں
 خاص ڈاکخانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے۔ مخصوص تختی پر چسپاں کر دیا کرتا تھا۔ وقت معین پر چرن صاحبو
 نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے۔ چھوٹے کپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے
 ذریعہ سے وہاں بھجوا دیتے تھے۔ یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیجتے تھے۔ ہر خط پر ہر اس پر کو اپنے نمبر
 لکھنے ضروری ہوتے تھے اس نمبر اور کپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہچانا جاسکتا تھا۔ چونکہ ہندوستان سے
 ہمارے ہی خطوط آتے تھے لہذا اہل آفس ان سب کو ہنگو پاس بھیج دیا کرتے تھے۔

مجموعہ اسرار کا تقریباً تین ہزار تھا جن میں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جو کہ
 عموماً سولین تھے اور ممبر سوڈان وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو مختلف
 افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے انہیں میں ایڈن جہیز کے لوگ بھی تھے

اسرار کی تعداد
 اور نمبر

اور باقی ماندہ آسٹریں بلغاری ترکی مصری شامی وغیرہ تھے۔ عموماً جو لوگ مشرقی مجاز سے پکڑے جاتے
 تھے وہ قبرس اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسو پوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برہما ہندو
 کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں میں شکوہ زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا ان کو بائیں
 میں بھیجا گیا تھا۔ چناق قلعه (درہ دانیال) سے بھی لوگ یہاں لائے گئے تھے۔ ان کو حب داخل کیا جاتا
 تھا تو ان کو نمبر بتلادیا جاتا تھا اور ایک کاغذ ان کے نمبر کا دیدیا جاتا تھا تاکہ بوقت ضرورت تمیز ہو سکے
 چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ اور ہمارے نمبر حب میں تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب ۲۲۱۵

حکیم نصرت حسین جھٹا ۲۲۱۶ حسین احمد ۲۲۱۷ وحید احمد ۲۲۱۸ حضرت مولانا مرحوم ۲۲۱۹

ان جملہ اسرار کو خواہ وہ سولین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسرار نگاہ سے باہر نہیں
 کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں آپس میں دو گھنٹہ کی مقدار
 دس بجے سے بارہ بجے تک مل سکتے تھے۔ ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دے
 سے چار بجے تک دی جاتی تھی جتنا کوئی تھریڈ آفس سے ویری جاتی تھی۔ یا اس کپ کے سر جینٹ سے کہہ دیا جاتا تھا

کہ ہفتہ میں دو دن یا چار دن یا پھر ہفتہ بھر اسکو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کہپ میں لیجا یا کرو
 چنانچہ ہم لوگوں کو بھی اخیر میں ہفتہ میں تین دن کی اجازت اس طرح مل گئی تھی۔ علاوہ اسکے تفریح کیلئے
 بھی روز ایک مقدار اسیروں کی جایا کرتی تھی۔ جسکی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی۔ عربوں
 اور سپاہیوں کو سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا یعنی دونوں طرف حفاظت کے لئے سپاہی
 کھلی ہوئی سنگین بندوق لئے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نشے اسیر لوگ سی طرح ان کو تین چار میل کی
 مسافت تک لیجاتے اور پھر واپس لاتے تھے کہیں کہیں اس پندرہ منٹ راحت کیلئے دیتے تھے مگر عموماً
 شہر میں نہیں لیجاتے تھے بلکہ بیرون شہر جنگل کی طرف۔ جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار
 ساڑھے چار بجے دن تک اور گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی
 تھی۔ مگر گرمیوں میں سمندر پر لیجاتے تھے اور وہاں پر دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا نہلاتے تھے
 تقریباً پندرہ منٹ یا بیس منٹ وہاں ٹھہرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو دریا میں تیرنے
 یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے۔ سپاہی چاروں طرف حفاظت کیلئے کہہ
 رہتے تھے۔ دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جسپر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور میں کھڑی ہوتی
 تھیں اور ان میں سپاہی مع آلات جنگ موجود رہتے تھے۔ افراد کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے
 اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریلو اور لئے ہوئے
 ساتھ رہتا تھا۔ ان کے لئے گھوڑے گاڑیاں لائی جاتی تھیں جنگ کا یہ غدا اسیروں کو اپنی خواہ میں سے
 دینا ہوتا تھا اور اگر کوئی اسیر اپنے پیروں چلنا چاہتا تھا تو اسکو کوئی روک ٹوک ہوتی تھی اسکے ساتھ وہی
 سارجنٹ یا کپتان ریلو اور لئے ہوئے جاتا تھا۔ عام اسیر اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو ان کیلئے بھی سواری
 منگوا دی جاتی تھی بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے پاس ادا کریں۔ اسلئے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگالینے
 تھے وہ گاڑی اسی قطار فوج میں ساتھ ساتھ چلتی تھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ اسرار پر
 فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لیگئے تھے۔ عموماً مولوی عزیز گل صاحب اور وحید جایا کرتے
 تھے اور کہیں کہیں مولوی حکیم نعمت حسین صاحب بھی ۛ

اسرا کیلئے اخبار اور تار اسرا کیلئے اخباروں میں سے فقط "انٹرنیشنل" اور "آان" پریس اور ایٹالیہ کے ایک

اخبار کی اجازت تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الہرام اور المقطم کی اجازت تھی دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے ریوڑ کا تاریخ بھی روزانہ آتا تھا۔ جن لوگوں کو اس تاریخ کی یا کسی اخبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آفس میں عرضی دیتے تھے۔ آفس رن کی انجینیوں کے گفتگو کر کے مقرر کر دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا۔ ان اخباروں اور تاروں میں جو جو خبریں ہوتی تھیں وہ اُس وقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں۔ ہر ہر قوم نے اسکا ایک خاص اسپین انتظام کر رکھا تھا چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کر کے ایک خاص تخت پر سینٹ کلیمنٹ کمپا اور وزیر البرکس میں سپاس کر دیتے تھے اہل مصر نے بھی اسکا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ عربی میں اور ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ بسا اوقات ترکی افراد و نو کے منتظم ہوتے تھے۔ جرمن اور آسٹریائی لوگ اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے لگاتے تھے ۛ

ہلال احمد صلیبیہ
کی ہمدی

جو سرائیکی مذہبی تھے اُن کی ضروریات کیلئے صلیب احمد سے خاص خبر گیری ہوتی تھی اُن کیلئے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ اُن کے ملکوت برابر آتے تھے جو کہ اُن میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ استنبول سے بھی مسلمان سہرا کیلئے ہلال احمد نے بار بار اثر فرمایا اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جسکے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک، تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبر گیری کی گئی اور آخر تک جاری رہی اور بوقت واپسی اوطان انکو تھوڑی تھوڑی مقدار نقد کی بھی دی گئی۔ اس تقسیم میں ترکی آفسر کسی ملک کی خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب کو علی حسب المرتبہ و الحاجت دیتے تھے ہمو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سہوں نے کہا کہ ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولت علیہ اور خلافت سنیہ کی کو مدد سکیں تو کیا ہمو کسی طرح مناسب ہے کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارا اس ضرورت کے موافق گومینٹ سے نقد بھی ملتا ہے اور کچھ ہمارے پاس بھی ہو بلکہ جب تک مقدار ہلال احمد سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنل شرف بیگ نے چندہ سے اسکا انتظام کیا تھا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصف پونڈ ماہوار اس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جبہ مقدار نقد کی ہلال احمد سے آگئی تو کرنل موصوف نے مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں۔ استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمد کا آفس اچھا رکھتا تھا اور اپنی تمام منجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام

عشرانی والکس میں موجود تھیں اس کے پورا نظام قائم کرنا تھا۔

کیموں میں نیسے تو سرکاری تھے مگر ہر خیمہ میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو اختیار رہتا تھا کہ اگر اس کو ضرورت ہو تو میسر آدمی اس میں رکھے اس لئے یہ خود مستقل طور سے رہنے کی غرض سے افتادہ جگہیں کمپ ہی کے اندر بعضے بعض

کیموں میں اپنے اپنے
کمرے کے کھانات

اسرار لکڑی کے گھر بنائے تھے۔ چیر کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے بنگا کر ان کو بطور ستونوں کے بنا کر اُس پر ٹاٹ بٹاتے تھے اور ٹاٹ پر چونا پتھر کے ایک خوبصورت کمرہ ہو جاتا تھا جہاں مینی اور انٹرنی ترکی وغیرہ سفر کرنا کے سپاہی یا سولیں کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کہتری کر دیتے تھے جس میں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے اُس پر کوئی زور و سر نہ تھا جس کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا جن کیموں میں چھ مٹی میسر ہو سکتی تھی وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت بنی یا پتھر سے بنائی تھی۔ بعض لوگوں نے یہی پیشہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھوں ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اس کو بچھڑا۔ ورد الہ کے بیرونی حصہ میں جس میں ان بھر بھرے اور میٹھے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانے کی وجہ وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور میٹھے کی غرض سے ایسے ایسے مختصر کمرے بنائے تھے اور مختلف قسم کے چول اور بلیس اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقتہً ایک میر کی جگہ ہو گئی تھی +

اسرار کے سخی شال

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی اس لئے ترقی پسند لوگوں کو اس کی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اس لئے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبانوں کے سیکھنے میں صرف کیا۔ اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنون کے موجود تھے۔ کتابیں ہر زبان کی یا تو وہیں مل جاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ جرمن اٹلی یا فرانس وغیرہ سے آ سکتی تھیں۔ اس لئے یہ اسرار نگاہ ایک حقیقت ہے ایک اچھا خاصہ دارالعلوم (یونیورسٹی) بن گیا تھا۔ خصوصاً زبانوں کے لئے۔ ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنہوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو۔ سیاسی امور اور اہم اقوام کے تاریخی حالات اور خصوصاً ازمنہ حاضرہ کی سیاست کیلئے تو گویا یہ مقام ایک

خالص کالج تھا۔ پھر حقد یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں۔ نہ سی آئی ڈی کا خوف ہر کسی
گورنمنٹ کی ناراضی کا خیال ہر۔ نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت ملکر کر نہیوالا ہے بلکہ سب کے سب ایک
خیال اور ایک رد اور ایک ہی ڈکڑے تھے۔

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انکلیش قوم کے دشمن تھے علانیہ انگریزوں
کو برا کہتے تھے۔ اگر انگریزوں کی شکست اور انگریزوں کے حلفاء پر کسی مصیبت کی خبر
آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے جھنڈے اڑاتے تھے شور و شغب مچاتے تھے۔ اور اگر
خدا نخواستہ جرمن، ترکی، اسٹریا، بلغاریہ کی کوئی بڑی خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غلین نظر آتے
تھے اگرچہ اس میں ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا کوئی کیتھولک کوئی
کالا تھا کوئی گویا کوئی مشرقی تھا کوئی مغربی، کوئی سولین تھا کوئی فوجی، کوئی ایشیائی تھا کوئی افریقی
کوئی یورپین تھا کوئی ترکی، مگر مصیبت سب میں ایسا رشتہ اتحاد جوڑ دیتا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جان
نثار اور فدا نظر آتا تھا اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا۔ وہاں پر
ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا، گویا کہ تفرق مذاہب و اقوام و اوطان عالم انسانیت سے بالکل اٹھ گیا ہر
انسانیت کے رشتہ اتحاد نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی
بھائی اور رشتہ دار ہے۔ اگر ایک شخص کو تکلیف پہنچتی تھی تو سب کے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے۔ عموماً
ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا۔ سب کے سب انگریزی فردوں اور فوجیوں کو نہایت غصہ اور غضب کی
نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر اس کو نہایت عظمت اور وقعت کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے
تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ سے عموماً ہر قوم کے ذمی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت
زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے۔ جیسے کہ ایام میں مسلمانوں کے عباؤہ جرمی اسٹریٹ وغیرہ کے مقتدر اور
ذمی و جاہل لوگ ملنے اور مبارکبادی دینے کے لئے آتے اور گلہ سہ وغیرہ پیش کرتے تھے۔ پرنس
جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمن کا بھتیجا تھا اور آٹمن ہماز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمن
اسرا میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ عید لڑا
مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا۔ چند منٹ بیٹھا اور چار نوش کر کے چلا جاتا تھا۔ مولانا بھی دو چار دفعہ

اسکے بعد اسکے یہاں نہایت مختصر طور پر شریف لکھے۔ جب کبھی راستہ میں مولانا اسکو نظر پڑ جاتے تھے تو
دور سے ٹوپی اُٹارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا۔ مولانا مرحوم کی صداقت اُن کی حقانیت، اعلیٰ اہمیت
آبائی و ولہارت، نئے نقطہ احباب ہی کے دیر سکھ نہ جھایا تھا بلکہ مخالف بھی اُن کی وقتِ دل میں بہت
زیادہ رکھتا تھا اور حاملہ عظمت ہی کا برتا تھا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں، جرنیل اور کرنل، میجر،
بادو، انگریز ہونے اور بہات کے سمجھنے کے کہ مولانا ہمارا سیاسی امور میں مخالف ہیں، ہماری موجودہ
حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے وہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی فلاح
کے دوست ہیں۔ جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ٹوپی اُٹار لیتے تھے اور
بعض بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی اور اہمیت ایک ایسی چیز ہے کہ فخر
بالضرور اپنا اثر پیدا کرتی ہے۔ موافق اور مخالف دونوں وقت کی نفس سے دیکھتے اور
دل میں مانتے ہیں۔ اور خود غرضی نفس پرستی، خیانت نہ ہی قومی، ایسی قبیح چیز ہے کہ مخالف
تو درکنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہُ
عام سسر اریں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے جنہیں سے بہت لوگوں نے قبو خانے کھول
دیکھے تھے اور اسکے ذریعہ سے انہوں نے بھی مقدار جمع کر لی تھی۔ بعض لوگ مختلف چیزیں
عامر کی خرید و فروخت کرنا شروع کر کے فروخت کرتے تھے اور اس طریقہ سے بعض چیزیں
مالدار سے منگوا کر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بعض اہل صنعت و کارسنا بنا کر فروخت
کرتے غرض کہ طرح طرح کے مشاغل لوگوں نے جاری کر رکھے تھے جسکی بنا پر بہت لوگ مالدار ہو کر نکلے۔
عموماً بہت لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک ایک خاص مقدار جمع کر لیتے تھے کیونکہ کپڑے دینے
باہر جانیکا کوئی انتظام نہ تھا گو رنٹ سے صابون ملتا تھا۔ اس لئے
بہت سے لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے۔ بہت سے جنکو کھانا پکانا تھا اچھی اچھی تخوا ہو نہر باد چٹاوا
میں ڈگری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ افسروں کی خدمت کی نوکری کرتے تھے بہت سے لوگ مختلف معنوں
بنا کر، دیہہ کاتے تھے۔

عام سسر اریں
تجارت

اہل صنعت

چھوٹے کپ مختلف وجوہ سے بڑے کمپوں کے تابع شمار کئے جاتے تھے روگٹ کرپ والہ کے تابع تھا

عرب کپ، ندوم کپ، بلغارکپ، سینٹ کلیمٹ کے تابع تھا۔ وال فرسہ مستقل تھا۔ تابع کی ہندوستان
اُس کے مرکز سے پوری کی جاتی تھیں۔ وہیں کا حاکم اُن کے امور کا متکفل ہوتا تھا۔ اور دورہ کرنے کو بھی وہی
جاتا تھا۔

عموماً اسرار میں باوجود قید اور کثرتِ افکار و مصائب لیس لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے
تھے کیونکہ حسبِ عرض سابق آپس میں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کسی کچھ ہوتا تھا تو مٹھو
اُس قوم کے ذریعے اور مقتدر لوگ انگریزوں اور حکام تک جانے نہیں دیتے تھے اور
اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنی جھگڑاؤں کو لیجاویں مگر اسپر بھی کسی کسی ایسے وقائع ضرور
پیش آئے ہیں کہ جن میں انگریزی حکام تکاپس کے جھگڑے پہنچے ہیں۔ بسا اوقات اسپر کے جھگڑے
انگریزی محافظ فوجیوں کی پیڑوں اور سار جنٹوں سے پیش آئے ہیں۔ غرض کہ ہر قسم کے جھگڑے آفس
میں پیش ہوتے تھے۔ اگر کوئی چھوٹا معاملہ ہوتا تھا تو خود گماندار یا اُس کا نائب فیصلہ کر دیتا تھا اور مجرم
کو سزای قید محض یا قید با مشقت دیتا تھا۔

اسرار کے
مقدمات

وردال میں جیل کو ٹھہریاں بنی ہوئی تھیں جنہیں تقریباً دو چار پائیاں پر سناکی تھیں
ان میں قید کر دیا کرتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے چار پائی سولنے کے لئے
نہیں ملتی تھی فقط کیبل ملتا تھا اور رات کو قضاے حاجت بھی وہاں ہی بائلی میں کرنا ہوتا تھا دن
کو البتہ بوقتِ ضرورت وردال کے پانچ خانہ میں لیجاتے تھے سپاہی ساتھ جاتا تھا دن کو علی الصباح
دروازہ کھول کر قیدی وردال کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لیجاتی تھی لیجانا
اُس کے کپ سے چہا، وغیرہ کے دونوں وقت کیبل لیجاتا تھا۔ جسکو اُس کے احباب بھیجتے تھے یا جن پر چنچا
میں لٹکا کھانا پکاتا تھا وہاں لیجاتا تھا۔ یہ حالت اُن مجرموں کی ہوتی تھی جن کی قید چودہ پندرہ دن کی
ہوتی تھی اور خیر حکم زیادہ کا ہوتا تھا اُن کو شہر کے فوجی جیل خانہ میں لیجاتے تھے اور فوجی معاملات
اُن سے کرتے تھے فقط سول دیوڑے مشقت نہیں کراتے تھے۔

قید خانہ اسرار کا گاہ

اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوا تو اُس کے لئے کوٹ مارشل ہوتا تھا جہاں کلار اور فوجی حکام کا بیٹھنا
تھا اور پھر مقدمہ فیصلہ کیا جاتا تھا۔

مولانا کا کہنا
میں اخذ

مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ اکتے پر سوار ہو کر آگے آگے چلے آئے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے۔ روگیت کمپ میں پہلے سے ہمارے آنے کی امید کے بغیر ہو گئی تھی جس دن ہمارا الگ بوت اسکندریہ روانہ ہوا تھا وہاں پر بندریہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دی گئی تھی آفس نے روگیت کمپ میں انتظام کیا اور خبر بھی دیدی کہ پانچ ہندوستانی آ رہے ہیں۔ الغرض دو خیمے وہاں پہلے نصب کئے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چار پائیاں اُن کے گدے کے بل پر غیر جملہ ضروریات مہیا تھیں۔ چونکہ اُس کمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایکٹر غلام محمد پنجابی دم پوری اور دو سسر مسٹر سید انور بنگالی ساکن چندر نگر وہاں موجود تھے مسٹر سید برہمن تھا انیسویں زبان عمدہ جانتا تھا انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اُدو بالکل نہیں جانتا تھا بسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بہ بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجود اُسپر کوئی ثبوت واقعی نہیں ہو سکا تھا۔ گورنمنٹ بنگال نے اُسکو مصر بھجوا دیا اور پھر وہاں سے مالٹہ روانہ کر دیا گیا تھا اُسپر مصائب سارے اتنا ضرور اڑ گیا تھا کہ اُس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت مقیم تھے وہاں اُن کے والد اور بھائی بھی آگئے تھے یہاں اُنہوں نے اپنی شادی بھی کر لی تھی۔ ابتدائے جنگ میں انہیں بھی ان کے دشمنوں نے کچھ خبریں اُڑا کر گورنمنٹ کو بظن کر دیا اُن کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیادت کا ہم بھی ایمان رکھے گئے تھے اُسیت بھی گئے۔ وہاں پر مختلف وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں اسلئے اُن سبہوں کو مالٹہ مسجد یا گیا۔ اُس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے۔

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو اور چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ میں اسلئے یہ خوش تھے مگر جب مولانا کو دیکھا تو اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ خیال غلط تھا مگر اُنہوں نے وطنی تعلق کی وجہ نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور انہیں خیمہ میں لیگے مولانا تقریباً مغرب کے قریب روگیت کمپ کے دروازہ پر پہنچے تھے اُس وقت اُن کو وہاں داخل کر دیا گیا۔ مولانا نے جا کر دندو کے نماز ادا کی اتنے میں ہم سب بھی پہنچے ہم نے بھی جا کر نماز

پڑھی۔ کچھ مختصر سامان چائے وغیرہ کا اسوقت موجود تھا اسکو تناول کر کے سامان درست کیا جا رہا
 وغیرہ کو رنگایا اور پھر عشاء کے بعد سونے کی تیاری کر دی اسروز تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی اور نہایت
 سرد ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جسے اور بھی ہلکوبود کیا کہ نہایت جلد آمدورفت بند کر دیں مگر اتفاق
 سے اس کمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے
 یا عہدہ پر ہوئے تھے اُنکی حکام تھے اور ج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے۔ اُنہوں نے جمع ہو کر مکہ معظمہ کے
 احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لیا ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیز گل
 صاحب کا تہہ لکھنؤ کی چار پائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔

صبح کے وقت ہم سہونکو آفس میں بلایا گیا ہلکوبخیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی اظہار مثل مصر لیا جاوے گا
 مگر وہاں معمولی طور سے ہنر وغیرہ پوچھا گیا اور رجسٹروں میں درج کر لیا گیا۔ ہر ایک کو قولا بھی گیا اور وزن
 بھی درج کر لیا گیا۔ بعد ازاں ہلکوب کمپ میں واپس کر دیا گیا۔ حسب عہدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں
 چونکہ گوشت قابل اعتبار نہ تھا اسلئے ہلکوب اسکے کھانے سے انکار ہوا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ نے اس کو واپس
 لیتی تھی اور نہ اس کے بدلے میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی اور ہر پہلے سے آئے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری
 کیوجہ اسکو براہر کھا رہے تھے اسلئے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے :- ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ

وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحن الی اولیاءہم لیجادلوکم وان

اطعمتمہم انکم مشرکون۔ (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا

اسکو مت کھاؤ، وہ حقیقت میں فسق ہو گیا۔ شیاطین انہو دوستوں کو سبھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے

ایسے حیوانوں کے بارہ میں جھگڑے اور بحث کریں۔ اگر تم انکی تابعداری کر گئے تو تم مشرک ہو) اسلئے

ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں اول تو شرعی ذبح ہو نا و دوسرے ذبح کرتے وقت

اسم الہی کا ذکر ہونا اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مسلمان

ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھولی کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حارب شاد حضور پر کائنات علیہ

السلام حلال ہو۔ جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں یا

اسگوشت کے حلال

ہونے کی وجہ

ذبح پایا جاتا ہے نہ کبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو شیشیوں کے ذریعہ سے
 ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور دوسری ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت
 کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیا علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شتر و بکری کی
 رعایت کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانسی
 چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبہ ظن نہ ہو جب تک کسی حرمت یا کراہت کا تقویٰ نہیں
 ہو سکتا اسی طرح سے حکم دینے کا ہوگا۔ مگر سخت غلطی ہے۔ ذبح کا حکم ان دونوں کے خلاف ہی خود صحیح
 حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار یا پناہ شکاری گتہ کو اس نے تکیہ کر کے چھوڑا تھا
 پایا اور ایک دوسرا گتہ پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ وہ سر کئے تو کبیر کبیر چھوڑ
 گیا ہے یا نہیں تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام اس کو حرام فرماتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی
 نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شتر و بکری کا جب تک علم ہو چکا حلال نہیں
 اور یہی مسلمہ فقہار کا ہے۔ یورپ کے سفر کرتے والے عوام باہر جگہ کے مسلمان ایسے حرمت میں مبتلا ہوتے ہیں اور
 وہی تباہی چیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن
 میں فرمایا گیا ہے و طعام الذین اوتوا الكتاب حل لکم۔ (اہل کتاب کے ہونے و نصاریٰ) کا کھانا مکہ حلال
 ہے۔ اس لئے ہکو ان کے ذبح کئے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی اثر نہیں۔ مگر بہت بڑی غلطی ہے
 جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہو سکتی وہ اہل کتاب کیوں نہ ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت
 قصداً کبیر چھوڑے تو یہی طرح حلال نہیں۔ پھر کتابی جیسا کہ یہاں ہے تو کیوں نہ حلال ہو سکتا ہے بہر حال مسلمان
 تو کم ہی ہے۔ اور اگر ظاہر الفاظ ایت پر مائیں تو چاہیے کہ سور بھی حلال ہو چکا کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام
 اور ان کا ذبیحہ ہے۔ یا شرب میں پچا ہو کوئی دوسرا کھانا ان کا حلال ہو و العیاذ باللہ اور اگر ان چیز کے
 حرام ہونے کا یقین دوسری باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ بذبح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل
 ہونا ضروری ہے۔ جس قسم کے مباحث کا وہاں بھی لوگوں نے ذکر کیا جن لوگوں کے دلوں میں سلام کا پاس
 خدا کا خوف نہ اور آخرت کا خیال تھا، انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور جن کے دلوں پر سیما ہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری
 جید تھی وہ نہ مانے۔ حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق اس وقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں تبھی

ایک مسئلہ قابل غور ہے جس میں اکثر اہل تحقیق و تجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً انصاری یورپ ہرے غیر کتابی ہیں ہاں ان کے پاس پادری وغیرہ جن پر اعتقادات ملل سماویہ اور انبیاء و رسول کی حقانیت کا یقین صفات انبی اور معاد و قیامت کا اعتقاد و افاق موجود ہے ان کی نسبت یہ خیال درست ہو سکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی جیلہ تھا کہ ہم مضطر ہیں اور مضطر کیلئے قرآن مبینہ (عزرا) اور خزیرہ وغیرہ کو حلال بتلا رہا ہے مگر یہ بھی ان کی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یورپ کے سفر کرنے والے پکایا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مضطر اسکو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لغت میں کہا جاتا ہے کہ جاکو بھوک کا وہ درجہ ہو چکا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہو گیا ہو اور بھوک کی تکلیف رفع کرنے کیلئے کوئی حلال چیز نہ ملتی ہو اسوقت میں مردار حلال ہے اور وہ بھی اسی قدر جتنی سے زندگانی محفوظ ہو جائے۔ بیٹ بھر کر نہیں۔ پھر یہاں تو علاوہ گوشت کے کسی دیگر چیز میں حلال ملتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے اسلئے یہ سب جتنیں شیطانی ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں۔ چونکہ یہ گوشت حسب قاعدہ شریعت مبینہ (مردار) تھا اسلئے نہ ہم اسکو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان

کو کھا سکتے تھے اب اس میں فکر کرنا پڑا کہ آیا اسکی بیخ و بن دھنسی بھی جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اسکی خرید و فروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہوگی اسکی قیمت بھی حرام ہوگی اسلئے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اسکی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اس پر کیلئے اگر اس میں بیع باطل اور قمار وغیرہ کی سب کی اجازت دی گئی ہے۔ اس پر کو کافروں سے جس طرح ہو سکے مال لینا جائز ہے اور وہ مال حلال ہے۔ چنانچہ اسوقت شروع کنز موجود تھیں ان کی طرف رجوع کیا۔ یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے مل گیا۔ اسوقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بچہ دینا شروع کر دیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے اسلئے بیسوں میں اپنی پاس کچھ نقد ملا کہ اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکار کھاتے تھے +

تمام ہمارے قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوا کچڑیوں کے پانا ممنوع تھا۔ ہاں کتے تو البتہ (چونکہ یورپ میں لوگوں کی جان ان سے متعلق ہے) ماذون ہے تھے اور علیٰ ہذا الفیہا بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں فرج کرنا بھی ممنوع تھا چونکہ تازہ گوشت کسی

کے ہیں حلال گوشت کے طریقے

جوان کا چاہتے تھے وہ شہری کا بیچ کیا ہوا آسکتا تھا۔ جو لوگ مرغی یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح کردہ شدہ پیٹ کی آلائش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا اسلئے ہلو کوئی طریقہ ایک استعمال کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی عذار کو بیان کیا تو ہلو بعد از دسویں کے اس قدر اجازت ہوئی کہ ہم زندہ مرغی یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اسکو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کر لیں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا الحافہ کر لیں چنانچہ ہم نے اسکی دہلی کی اور اس کے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنی کی ابتدا ہوئی۔ کچھ دنوں تو یہ ہمارے ہی سامنے مخصوص بنا پھر اس کے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی۔ مگر یہ چیزیں اس قدر گراں تھیں کہ اماں۔ کبوتر کی عدد ہر یا عکاس میں پڑتا تھا۔ مرغی فی عدد بیڑیا نے یا بیڑی میں پڑتی تھی۔ البتہ خرگوش سے یا لکڑی یا لکڑی میں پڑتا تھا۔ گوشت بھی اسکا زیادہ ہوتا تھا اسلئے اسی پر اعتماد کیا گیا۔

ہفتہ میں اول قبل ایک یا دو مرتبہ اسکو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گزارا کرتے تھے۔ ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے اسیوں کو یا دوسری ترکاری ڈالتے تھے کبھی کبھی چلی منگاتے تھے مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی۔ تقریباً تین روپیہ سیر یا چار روپیہ سیر دلی بھلیاں آتی تھیں اسلئے ہمیشہ اسکا بھی منگنا دُشوار ہوتا تھا۔

دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہو گئی۔ گول مٹر دال کے اقسام سفید دلی ہوئی اور بے دلی ہمیشہ ملتی رہی کبھی کبھی بے دلی مسور بھی مل جاتی تھی۔ بھری فول بھی ملتے تھے۔ دوسری دالیں بان میں ملتی تھیں۔ البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دھلی ہوئی اور بے دھلی اور بڑیاں وغیرہ آ جاتی تھیں۔ جنکو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھتے تھے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں البتہ گو بھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ ہندی جب نہایت سستی ہوتی تھی تو سردیوں میں بغیر چھاپے ہوئے ملتی تھی اسی طرح کدو طویل اور کدو سرخ چقندر پالک۔ فول کی بھلیاں۔ مٹر کی بھلیاں وغیرہ آتی تھیں مگر نہایت گراں۔ روزانہ ہم کھانا اس کے اقسام بدلتے رہتے تھے۔ تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی

دیر سے گھبراہٹ اور بد مزگی نہ پیدا ہو۔ سالن عموں ہم ایک ہی کھاتے تھے +

روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے۔ چونکہ
دیگر فقار کھانے کے کھانے سے ناواقف تھے۔ علاوہ ازیں ان کو دیگر مشغولیتیں تھیں
بھی نہ تھیں۔ پھر وہ ملاومت بھی نہ کر سکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط ادائیگی

اسارت میں کھانے
کا ہمارا طریقہ

کی عرض سے تمہارے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا جس کے
لئے میں نے مالٹہ پہنچے ہی اپنے آپ کو تیار کیا اور ہر کام کی بالکل پوری مانتھیں لی۔ جدہ میں یا مصر میں
یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی۔ البتہ حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی
اعانت کرتے تھے۔ مالٹہ میں دوسرے رفقاء نے بسا اوقات معارضہ کیا اور کاروبار کے بعض دیا اکثر
حصہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ بعضوں نے وقت مقرر کر کے نیکی خواست نگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور
یہی کہہ کر میرے فرض منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہ دینا چاہیے یاں جب کبھی اعانت ہوگی میں آپ لوگوں کو
تکلیف دوں گا۔ روٹی عموماً دوپہر کے وقت آتی تھی اسکا آدھا حصہ شام کی وقت صرف ہوتا تھا اور
آدھا صبح کے وقت۔ چونکہ بہت بڑی اور موٹی ہوتی تھی اسلئے اسکو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا اسلئے
جو کہ حسب عرض سابق عموں ایک ہی قسم کا ہوتا تھا۔ ایک بڑے برتن طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا
تھا اور دسترخوان کے بیچ میں وہ طشت یا طباق رکھ دیا جاتا تھا اور اس کے ارد گرد روٹیوں کے ٹکڑے
کٹے ہوئے رکھے ہوتے تھے اور پھر ہم حسب سبب ہو کر کھاتے تھے۔ عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پہنچاؤ
نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زیادہ ہوتے تھے۔ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت سخاوت
بہا ندری پر مجبور اور مغفور ہوتی تھی ان کو بقدر مہانداری اور سخاوت میں لطف آتا تھا کسی حال
میں نہ آتا تھا۔ لیکر کھانا ان کو سخت ناگوار ہوتا تھا۔ یہی حال ان کا ہمیشہ ہندوستان میں رہا کیا۔
اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً جائیداد اپنی بیچ کر قرضہ ادا کرتے رہے۔ مدرسہ کی تنخواہ اور
بیرونی آمدنی ان کو کبھی کافی نہ ہوتی۔ مہانداری کی وسعت دیکھ کر عموماً اہل دنیا اور اصحاب ثروت
دنک نہ جاتے تھے۔ مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔

علی الصبح اندرون خانہ بھاڑ دینا اور اپنے اپنے بستر و نکاح درست کرنا ضروری تھا کیونکہ کلیم

یسا رجنٹ روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا اگر درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا اسکے بعد ڈاکٹر آتا تھا اور کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معائنہ کرتا تھا۔ اُسکے بعد چار بنانی ہوتی تھی مولانا مرحوم کیلئے دو انڈس نیمزٹ کر کے پیش کئے جاتے تھے۔ اگر چہ اسپین انہوں نے باہر سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا کئے مگر خدام کسی طرح اسکے ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضیف الموی کاربانہ تھا غذا حسریات اور طبیعت میسر نہ ہوتی تھی اسلئے تعویث کے لئے اسکا انتظام ضروری خیال کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اسکا انتظام تھا۔ اُسکے بزرگ ملک کچھ روٹی کے ٹکڑے کس ہاتھ چار پیتے تھے۔ اُسکے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ میں تیار ہو جاتا تھا۔ تقریباً نو یا ساڑھے نو بجے صبح کو کھانا کھا لیتے تھے۔ اُسکے بعد دوسرا کھانا ظہر کی نماز کے بعد تیار کیا جاتا تھا اور عموماً عصر اور مغرب کے درمیان میں اُس سے بھی فارغ ہو جاتے تھے۔ ہمیشہ دولوں کھانوں کے بعد سادی چار پی جاتی تھی۔ اسلئے روزانہ تین دفعہ چار لازمی طور سے پکتی تھی اور اگر کوئی مہمان آ جاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی۔ شام کا کھانا ایک عرضہ تک اصرار کہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکھلے میسر اور پھر میں نے اُسکا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ شبی کہی ہوئی عزیز گل صاحب یا وحید بھی انتظام کرتے تھے۔

روگیت کب میں قیام قریباً کیا ہوا کامل رہا وہاں کے لوگوں نے بخوبی واقفیت اور امنس بھی ہو گیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی دجہ اسکی یہ تھی کہ اگر جودہ ما

فروری کے آخر کا تھا مگر بالآخر نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے۔ اگرچہ شمالی یورپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنوا لے میں اسکو نہایت معتدل خیال کرتے ہیں مگر اہل ہند کیلئے تو وہ نہایت آزار دہ ہے پھر چھوٹا جزیرہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہوا نہایت تیز چلتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیر جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی برفی زیادہ آزار دہ نہیں ہوتی جبقدر کہ ان ملکوں کی ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہوں اور برفی نہ ہوتی ہو۔ پھر اس پر یہ کہ یہ نومبر سے اور کبھی ادا سبط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے دریا میں بھی طغیانی اور ہوائیں طوفان انہیں دونوں میں ہوتا ہے دسمبر اور جنوری پورے ذور

دشوہ سے سردی ہوا، طوفان، بارش کے دکھانے والے مہینے ہیں۔ فردی میں ہوا کی تو کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں خفت ضرور شروع ہو جاتی ہے۔ ادھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آ جاتی ہے۔

برگیت کپاگر چہ خندق میں افع تھا مگر چونکہ اسیں نقطہ خیمے تھے اسلئے وہ سردی سے پوری محافظت کر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا۔ رات کو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کبل اور ایک چادر اور پٹے ہوئے گدوں پر ایک کبل بچھا لے ہو کر سوتے تھے مگر تقریباً دو پہی بجے رات سے کثرت سردی کی وجہ سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی۔ صبح کی وقت جبور ہو کر نماز کیلئے اٹھنا پڑتا تھا تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا۔ سرد ہوا کے اس دور کے تھیرے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم کھڑکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ دشو کرنے کی کوئی ایسی جگہ بھی جہاں پر ہو اور سردی سے محافظت ہو۔ پانی جو ہم بالٹیوں میں اور برتنوں میں بھر کر راستہ دشو کیلئے رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا۔ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ بھی ایسی نہ تھی جہاں پر ہو اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا ہم سب ایک دوسرے کو اٹھا کر اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے۔

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ سب اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی سردیوں میں آگ اور کونک سے تاپنے کی اکثر عادت تھی۔ روٹی کے کپڑے بہت

مولانا کی جفاکشی
اور استقامت

استعمال فرمایا کرتے تھے۔ گھٹنوں میں اکثر دریا کرتا تھا۔ سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر درم ہو جاتا تھا جو سیکنے سے جاتا تھا۔ مگر بالائی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو ایلے یا دو بجے کا اٹھنا کسی انہوں نے نہ چھوڑا۔ اسی وقت پیشاب فرماتے دشو کرتے مسجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اسکے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گزارتے۔ ہم جوانوں کو تو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا اٹھنا یا نماز پڑھنا یا دشو کرنا تو ہر قیامت بھی زیادہ تھا۔ مگر انکی استقامت

ان کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی۔ یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی۔ پھر اس پر یہ تھا کہ اس طرح اُٹھتے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم کھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ نیند میں صلا فرماتا تھا باوجودیکہ ہمب خدمت ام ہی تھے اور سفر و حضر میں ملوث اور فتن تھے مگر ہم سبہول سے بھی بچپانے کی آخر تک برابر گوشش فرماتے رہے۔ چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اسلئے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگٹ کمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

ہم روگٹ کمپ بہت اچھی طرح مانوس در وہاں لوگوں سے پوری طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ ایک ایک کماندار کا بلا ہماری درخواست کے حکم آیا کہ تم کو کل کو عرب کیمپ میں جانا ہو گا۔ ہر کوئی طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب سے سود مند ہوئیں اس مدت میں چونکہ اکثر غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدار سے تعارف ہو گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب ہاں کے احوال سے واقف تھے اسلئے ان کے اشارہ پر ہنسنے درخواست کی کہ اگر ہر کوئی بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جا کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کر دیے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ رہ سکیں۔ یہ ہندو عا منطور کر لی گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہر کوئی راحت جو کہ روگٹ کمپ میں ہو عرب کیمپ میں نہ لیگی اسی وجہ سے ہر کوئی پیش تھی۔ مگر حقیقت میں ہر کوئی وہاں پہنچ کر بہت ہی زیادہ رنجشیں ملیں۔ وہاں پر ہر کوئی ایک بہت بڑا کمرہ صاف کر کے دیدیا گیا اور کیا گیا کہ اس میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہے گا۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اسکے دو ٹکڑے تھے۔ درمیان میں ایک دیوار حائل تھی جس میں دروازہ لگا ہوا تھا۔ قطعہ نمبر ایک بھی دو حصے میں نے

کر دیے تھے یعنی ایک پردہ ڈال کر جسکی صورت (میں نے) یہ دکھائی گئی

ہے۔ اندرونی اور بیرونی حصہ کو جدا کر دیا تھا۔ بیرونی حصہ (دک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹائبل (میز) رکھی رہتی تھی جس پر چار بچے رہتے تھے اور چند کتابیں چھپی رہتی تھیں اور پیر یا سلامی اور سرگٹ بھی کھڑے رہتے

تھے اسکے طول میں نوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کرسیاں بھی رہتی تھیں جنہیں سے اکثر فرسے
 علی تھیں اور بعض خود بیٹھے بنوائی تھیں۔ دوسری طرف عرض کی جانب (ط) ایک چارپائی لکڑی کی سپر گڈے
 اور کیل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی۔ یہ سب باہر سے بزمیان ملنے کے لئے آتے تھے ان کے لئے انتظام تھا
 جب بزمیان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لئے یہاں بیٹھتے تھے (ن)
 یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں تھیں اور شیشہ کا دروازہ سردی کے روکنے کے لئے
 لگا ہوا تھا۔ دیوار کا وہ حجم جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بعد ایک کرسی کے اوجھا تھا اسکے ساتھ ایک تختہ لگا کر
 اسپر گڈہ ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے تھے اپنے در و وظائف بھی
 سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے۔ گرمی کے اوقات میں بیٹھتے تھے۔ اسکا شیشہ کا دروازہ
 کھول دیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی۔ یہاں ہی
 بیٹھ کر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ اس کھڑکی کے باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک
 چارپائی دیوار سے متصل بچھا دی جاتی تھی۔ عصر کے بعد مولانا وہاں بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اسپر ہی آرام
 فرماتے تھے۔

قطعہ کا اندرونی حصہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چارپائی جو اسی پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور
 (ج) مولوی عزیز گل جٹا کی چارپائی جو یہاں ہی اخیر تک آرام کرتے رہی اور (د) حضرت مولانا کی لمبے
 کی چارپائی جو یہ چارپائی مکلف تھی مگر اسپر مولانا فقط ایک در شب ہی سوئے حالانکہ اسمیں راحت زیادہ
 تھی ہم سبہوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا وہ قصہ یاد دلایا جبکہ آپ کے لئے
 بستر کی کوئی تہ بنادی گئی تھی اور اسوجہ آپ کے شب میں لٹھنے کی ذرا سی دیر ہو گئی تھی یہ چارپائی اخیر تک
 فقط بچھی ہوئی کسی نے اسکو استعمال نہیں کیا (د) حسین احمد (کاتب الحدیث) کی چارپائی ہے (ل)
 درمیان میں ایک جگہ بھی رہتی تھی۔ اطراف میں گڈے پڑے۔ بتتے تھے۔ یہاں ہی بیٹھ کر کھانا دونوں
 وقت کھایا جاتا تھا۔ یہ تمام میدان پردہ تک بچھا رہتا تھا اور اگر کسی جمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی
 پر بیٹھتے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولھے کی جو جس میں سردی کے زمانہ میں کوئلہ چلایا جاتا تھا اور
 دیوار میں اوپر تک دُھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا اہمیں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا

یورپ میں سردی کی وجہ سے مکانات میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ نمبر ۱۱ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چار پائی کی جگہ پر اور اس کے دھیرے کی چار پائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں ہیں جنہیں مملکت سمان مندرجہ وغیرہ رکھا کرتے تھے اسی قطعہ میں سب سب باب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا اور اس میں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا۔ اس میں دو کھڑکیاں بھی جنوب جانب کو تھیں جن سے ہوا نکلتی تھی اور ان میں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اس لئے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرق جانب سی طول و عرض کے دو اور بڑے بڑے کمرے تھے جو اسپین سے آئے تھے اس میں قصبہ صیدا ملک شام (موریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور طاع تھے اور مغربی جانب میں اس سے ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جس میں دو حصے تھے جو حصہ نمبر ۱۲ کے برابر تھا اس کو ہٹنے کبلوں سے بچھا کر ہسبہ بنالیا تھا۔ گورنمنٹ نے کچھ کیل دیئے تھے۔ باقی ان حیدر آبادی عربوں کے اپنے پاس سے ڈال کھینچا کرتے تھے۔ سب ملکہ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے۔ اس بڑے کمرے کی بیرونی حصہ اس جو کہ ہمارے کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ اسی کے پاس ایک بڑا تخت لانا بنا ہوا تھا تاکہ اسپر کپڑے زمین پر نہ پڑیں اور وہ ہوسکے۔ اسی نل سے سب وضو کرتے تھے۔ ان کمرہ کے سامنے ایک مختصر سا طعن تھا جس کا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا تھا جس کی صورت نقشہ میں یہ (۱۱) دی گئی ہے۔

تین قطار ایسے تاروں کی تھی تار کے باہر مختصر رستہ فوجیوں کے باہر سے آئے کا تھا۔ تار



اس میں چرخ پودہ دھنیا موٹی وغیرہ بوئے رہتے تھے۔ بعضے بعضے درخت پھول یا رائے کے بھی تھے۔ اس

جھن کے وسط میں ایک بڑا عمو ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا۔ جس پر جمعہ اور عید کو یا جب بھی کوئی خوشخبری
 ترکوں اور ان کے حلفاء کی آتی تھی تو شہر کی پہریرا اور ہلال اڑایا جاتا تھا۔ گریٹھ میں اس صحن میں سب سے
 تھے۔ نمبر ۲۰ و ۳ چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں جن میں مختلف سامان کرپک رہتا تھا۔ یہ کوٹھریاں صحن کے کنارہ
 واقع تھیں جن کی چھت پر بالائی سیرسہال تھیں۔ انہیں میں سے بچ کی کوٹھڑی کو مولانا مرحوم کیلئے گورنمنٹ
 نے خالی کر کے ایک بالائی اور چوکی رکھوا دی تھی کیونکہ جب حکام نے مولانا سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی
 تکلیف تو نہیں جس کا مفصل تذکرہ ہم آگے کرینگے تو ان سے پانچاخانہ کی دوری کی شکایت کی گئی اور یہ کہ سردی
 اور بارش کے ایام میں رات کو اندھیرے میں وہاں جانا بہت اذیت دیتا ہے اور مولانا کو پیشاب کی
 ضرورت ہمیشہ رات کو ہی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے چینی کا برتن دیا کہ انکو اس میں پیشاب کر کے صبح کو پھینک دیا
 کرو۔ مولانا اسپر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے اس کوٹھڑی میں بالائی اور چوکی رکھوا دی جس کی وجہ سے دوسرے
 لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا۔

چونکہ ہم اسپر پر اپنے کپکھانے کرنا پانچاخانہ کا دہوتا اور باہر سے رسد وغیرہ کالا نافروری
 تھا اسلئے ہم نے اس کام کے لئے ریزرکپروں کے دہونے اور کپکھانے کے چھار دہونے
 کے لئے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتدائیں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے
 ایک شخص کو انہیں صیداوی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا اسکو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے یہ مفت میں
 ایک دفعہ یہ سہوں کے کپڑے دھوتا تھا۔ صابون وغیرہ ہم دیتے تھے۔ اور جب ہماری باری دوسری
 بیرونی خدمات کی آتی تو ان کو بھی انجام دیتا تھا۔ اگرچہ اس کھانا کھانا ناشر نہ تھا مگر چونکہ یہ شخص نہایت
 امانتدار اور دیانتدار شخص تھا اسلئے ہم نے اسکو کھانے میں بھی شریک کر دیا تھا اسنے بھی غیر مشروطاً
 میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی۔ اور اخیر تک اسنے بہت کاروبار میں نہایت ہمدردی
 حصہ لیا۔ جسکے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقررہ تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبر گیری میں کمی نہیں کی۔
 شہر صیدا سورہ (ملک شام) میں ایک پُرانا شہر ہے جو کہ برب سمندر بیروت اور حیفاف کے درمیان
 واقع ہے۔ بیروت سے خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی
 ہیں مگر اور حیفاف کو بھی یہاں سے رستہ جاتا ہے۔ یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پُرانا

انتظام پارہ شوقی
 دیگر خدمات خارجہ

ان صیداوی
 عربوں کے حالات

دکھایا جاتا ہے۔ مگر زمانہ کے تقلبات نے اسکو استدر بڑے پیمانہ پر بانی نہیں رکھا۔ بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں استدر بڑا شہر تھا اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہو گیا ہے۔ عیدرامین مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہے۔ اس میں باغات نہایت کثرت سے ہیں۔ سنگترے۔ لوکاٹ سیب انکو وغیرہ میوہ جات عمدہ اور کثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بعضے تو ذرا عمت اور باغبانی کھتے ہیں اور بعضے تجارت پیشہ ہیں جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر کہہ کر لجاتے ہیں اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں۔ بہت لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کبھی بنا کر حصوں پر تیار کرتے ہیں اور اُن پر تجارتی مال لاتے ہیں سودیہ اور افریقہ اور یورپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ اور سہری کے وہ زمانے جن میں مدیا میں طوفان ہوتا ہے اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان آیام میں بادبانی ہمارا کام نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو دریائی سفر اور اسکے احوال کی واقفیت موسموں اور پانی کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہے ان میں اکثر لوگ پانی میں اُسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر غوطہ لگانا تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بخندان کی اچھی ہے۔ جفاکش و دیندار لوگ ہیں جن آیام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا چلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہیشہ چلی ہی کے شکار پر بسر کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کر کے اپنے مضارلف نہایت دمت چلاتے ہیں۔ جو لوگ مالہ میں ہمارے ساتھ امیر تھے یہ وہی تجارت پیشہ اور ہمازداں لوگ تھے جو کہ قبل از اعلان جنگ اپنی اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لائے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال فروخت کر کے اسکے بدل میں وہاں سے مال خرید کر کے واپس ہوں گے کہ یکایک ٹرکی اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو بغیر مصلحت دینے اور خبر کرنے کے یکبارگی پکڑ لیا جہازوں اور بلہ مال اور نقد کا مصادرہ کر لیا۔ ان کو قید کر کے مالہ روانہ کر دیا۔ بیچارے ابتدائے جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے ان کے اہل و عیال اکثر ہلاک ہو گئے۔ طرح طرح کی مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التوا ہی جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوئے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس یا پچیس آدمیوں کی تھی جن میں سے بعض بلغارکپ اور روڈیٹ کپ میں بھی رہتے تھے۔ ہمارے کپ میں تقریباً پچیس آدمی تھے۔ بچائے

عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانت دار تھے۔ ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً ان کے معاملات نہایت ہی مشرفیانہ رہی ہر ایک ہماری بہرہ ریزی اور انگساری کے لئے تیار رہتا تھا ان لوگوں کے ساتھ ہنگو اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت لطف ہو گیا تھا ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشارت سے قبول کرتے تھے۔ انیس سے بہت لوگوں نے جب ان کو مولود ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل پھوڑ دیا تھا۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت تھی حکم شرعی جانکر دارہیں چھوڑ دی تھیں۔ عجات سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے تھے۔ اذان بکیر وغیرہ سب کے ہی لوگ متکفل تھے انیس سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہوئے تھے اور خط و کتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھا علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے ۴

مولانا مشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اور اچڑہتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کرتے اور پھر سو جاتے تھے۔ کیونکہ دس بجے کے بعد علما روشنیوں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے آیت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے
اوقات

سپاہی آواز دیتا تھا حسبِ راع اور موسم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلائے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں کمرہ میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ وہ برقی روشنیاں جو کمپ اور ہستوں کی روشنی کیلئے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں۔ ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً آیت یا ذریعہ شب کو اُٹھتے اور نہایت دیر بے بیرون نکلنے دروازہ سے باہر نکلنے لیتے پانی کی ضرورت ہوتی تھی نلکا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سرخی کے زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چوٹے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوہے بن جو گھر چائے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا اور اُس میں نیچے ٹینکو پمپ لگائی ہوئی تھی اور اُس میں بہت سوری دس بارہ لوئے پانی آ جاتا تھا۔ پانی خوب گرم گرم کیا جاتا تھا اور پھر اُس پائپ لے کر میں جہاں پر نلکا لگا ہوتا تھا اُس لکڑی کے تخت پر جس پر پمپ کپڑے دھوتے تھے ایک کیبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد کھڑے بیٹھتے تھے۔ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا۔ حالانکہ سڑی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کرنا

عزت ہوئی تھی اسی سے پانی گرم کر لیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کے دائیں جانب
 مولانا کی سفید اونی جانماز کیلوں پر ہمیشہ بھی رہتی تھی اندھیرے ہی میں جا کر اس پر نماز متجدد فرماتے تھے
 جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر اگر اپنی چار پائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکر غنی میں مشغول
 رہتے تھے۔ ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی اسم ذات کی کوئی مقدار معین فرما رکھی تھی
 اُسکو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے۔ مراقبہ کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ اکثر حفتہ و نرات کا اسیں گذرتا تھا
 استغراق بعض اوقات میں غالب ہو جاتا تھا۔ ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں دوہراتے
 تھے مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پہلے اکثر میثاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز باجماعت ادا فرما کر
 وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقبہ رہتے تھے۔ اُسکے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر
 اپنے کمرہ میں تشریف لاتے اُنوقت مولانا کے لئے اُبلے ہوئے اندے اور چائیاں ہوتی تھی وہ پیش کر دی
 جاتی تھی۔ اُنکو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے اُس سے فارغ ہو کر
 کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے۔ یا
 وحید کو سبق پڑھاتے اس میں کھانے کا وقت آ جاتا کھانا تناول فرما کر چار نوش فرماتے تھے اُسکے
 بعد اگر کسی سے ملنے کے لئے وردالہ یا سینٹ کلیمٹ کپ یا بلغاریہ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے
 اور کپسے پنک تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لئے دوسرے
 کپ میں سے آ جاتا تو اُس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چار پائی
 پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گھنٹے
 ڈال دیتے تھے اور اس پر کبیل در تکیہ پہنچا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو غوث تکیہ لیجاتے اور اُن
 گندوں اور کبیل کو بچھا کر آرام فرماتے تھے۔ دو تین گدے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ
 علیحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوتے تھے تو بعض چار پائیوں کے گدے اٹھائے
 جاتے تھے۔ گاڑھے کی بول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھ کر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہی حالت
 مولانا کی دہن میں بھی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضا و حاجت کیلئے
 تشریف لیجاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعم و غیرہ میں

مشغول ہوتے تھے۔ مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے ظہر کی
اذان تک کسی حالت میں مشغول نہ ہوتے تھے۔ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی
اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اور دوستوں سے فارغ ہو کر کھائے۔ کچھ وقت تک پڑھتے تھے۔ بلا اکثر صبح ہی کو پڑھاتے
تھے۔ چونکہ عربی کتابوں میں سے فقہ مشکوٰۃ اور ترمذی پاس قبیل اسلئے انہیں دونوں کو پڑھاتے رہی یہاں تک
کہ دونوں ختم ہو گئیں۔ جلالین بشرح بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہو گئی تھی اسکے بعد کتابوں کے نہ ہونے،
وحید کی بے شوقی، مدت اقامت کی لامعلیٰ کی وجہ سے اور کتابیں مشروع نہ ہوئیں۔ اسکے بعد اکثر ترجمہ قرآن
نظر ثانی دلتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین جھامروم اور مولوی عزیز گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے۔
کچھ دنوں تک میں بھی اس میں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجھ کو تمام دن میں قرآن کے دُور کر کے کیلئے یہی وقت فارغ
ماتا تھا اسلئے میں نے شرکت اُس میں چھوڑ دی تھی دونوں حضرات کی پیش بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے
ہوتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی تاریخ ایسی ہوتی جس میں ظہر کے بعد دوسرے کپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر
کر چکا ہوں کہ ہر گز بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کپوں میں ظہر کے بعد جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف
لیجاتے تھے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے تھے اسلئے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایک دن روگیت
کپ میں جاتے اور ایک دن سینٹ کیمپ میں اور ایک دن بلغار کپ میں۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا مرحوم
علیہ الرحمۃ کفخی لسانی میں مشغول ہوتے۔ وہ ایک ہزار روزانہ والی تسبیح کو چار دیا رد مال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور
ذکر کرتے رہتے۔ ہاں اگر ورد کسی وجہ سے گر گیا ہوتا تھا تو ہمسکو اس وقت میں پورا فرما لیتے۔ اکثر جمیکا پہلے بیان
ہو چکا ہے اس وقت کھانا تیار ہو جاتا تھا تو جب ستر خان چن لیا جاتا تھا اس وقت مولانا سے عرض کیا جاتا تھا
کہ تشریف لائیے۔ کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پر بایٹھتے اور اپنی کام میں مشغول ہو جاتے تھے، وہیں میں کوئی
جایا کرتی تھی مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر ذکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لیکر شمار
تک مشغول رہتے اس درمیان میں اگر ٹھیکہ کسی بات کیلئے پاس جا بیٹھا تو یہ بات بھی کر لیتے در نہ
اپنے کام میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے ۱۲ بجے تک اور کبھی کبھی ظہر کے بعد ۲ بجے سے
۳ بجے تک قبض ترک کی اجازت وغیرہ تشریف لاتے تھے تو اس وقت مولانا اپنے کام کو چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھتے
خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے اشتیاق

کر رہے کہ فارغ وقت تمام عمر کی سبب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالک کی اقامت کے ایام میں ہوا اور رات
اُن کی بہن بھی اور بیٹی بھی غفلت تھی۔ کبھی ان کی طبیعت گجراتی تھی اور کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا
اوقات تو ان کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی۔ یہ ایک واقعی اور حقیقی الغام خداوندی تھا جس میں
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے۔ کاتب الہی نے جو مقامات ازلیہ مقرر فرمائے
تھے ان کے طے کرنا فوریہ بہمنہ اور یہ اسارت قرار دی گئی۔ طے ہو جانے کے بعد ان کو وطن بھو اگر بہت
جلد بلا لیا گیا۔

ابن سعادت بزور بازو نیست گریخت خدا سے بخشندہ

دنیا اور آخرت کی سبب خوردنی، اہل زمین اور اہل آسمان میں نیکی میں اور رغبت و کرم معنوی اور مادی
ترقی قبولیت حقیقی، اور بے نہایت اجر و ثواب، قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ اور ذکر محمود و نشر علم حدیث
اور تفہیم فی الدین، برہان فی سبیل اللہ اور خدمت دین، اخلاص و لیسیت اور زہد فی الدنیا، خدمت قرآن
اور بیانات باطنیہ، استقلال و ثبات اور تحمل و تواضع خالص، عشق حقیقی اور معرفت کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات
قلیم ازل نے اس پر وہ بین مولانا کے پشتر سے دو بالا بلکہ انصاف مضافہ کر کے اپنا خاص مقرب بند بنایا
اور آگے والوں کے لئے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا یہ وہ فضائل ہیں کہ جن کا مجموعہ قرون میں بھی کسی ہی کسی فرد
میں پایا جاتا ہے ازمنہ حاضرہ میں چراغ لیکر دھونڈا ہے اور مشرق سے مغرب تک گاؤں گاؤں شہر شہر کھپتا
تو ایسے جموع کا وجود یا تھا نہ آئیگا بلکہ غالباً انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر کا سمان دکھلائیگی۔

فضائلہائے شتی میں سے کوئی ایک کماؤ کئے تھے حق تعالیٰ نے جو مولانا کو ازلی
قبولیت اسے کتبوں مقبول السیجوتیں صید سود کا ان کے لعب ہے یوسف ثانی

انہیں پہنچے پر ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ چیزہ میں ہم سے لیلیا گیا تھا
نقد میں سنائی اور اس میں چار پونڈ ہکو معا ریف کیلئے دیا گیا تھا جس میں سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہم نے
کے بیچ سے اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) پونڈ کیلئے چیزہ کے انگریزی آخر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ
یہ نقد تم دوہیں انہیں انجانے کا ہم نے اس سے کوئی رسید وغیرہ مانگی اور اس کے قول پر اطمینان کر کے
یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاکٹ ہاں یہ خبر بھیج دی گئی مگر مالٹہ پونچنے پر جب ہکو ضرورت ہوئی تو

ہمنے کما نذر سے طلب کیا اُس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں آئی اسکی وجہ سے ہلو سخت کلفت کا سامنا ہوا اُس نے ایک مرتبہ جبکہ ہماری خاطر داری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو ہوا اطلاع دو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اُس نے کہا کہ جملہ کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت اندیشہ کرتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ تب ہم نے در خواست کی کہ آپ معریں تحریر کریں اور ہتھسار کر کے منگائیں اُس نے اسکو قبول کیا۔ ہمارے آنے کے دوسرے دن ہجر حسن عزت بیگ درالہ سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا شایق ہوں +

ہجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف و فصیح علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا۔ جسکے ہر عمل اور حرکت سے مروت اور انسانیت ٹپکتی تھی اصل میں اُسکا وطن دمشق شام تھا۔ اُسکا رتبہ فوجی بیگاشی (میجر) تھا۔ وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر موزن ہو کر حکومت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں نہایت ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر رہا تھا اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بیگ کے زمانہ میں وہ عین میں عہدہ دار تھا اُسکو گورنرین کا حکم ملا کہ وہ حجاز میں ہجری رہتے سے بچا اور احکام فوجی کے پورے کرنے کی کوشش کرے۔ حجاز پر وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندروں سے معاہدے سامان غیر کے بادیانی کشتی پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (فلزم) میں اُن دنوں خانی آگوت کا ملنا ممکن نہ تھا بادیانی کشتی سمندر میں سفر کر رہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اُسکو دور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا۔ اگرچہ ہجر موصوف اپنی سی اور ترکی لباس میں اُسوقت تھا مگر جہان تک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا وہاں پر انگریزی سی آئی ڈی کے لوگ موجود تھے اُنہوں نے خبر پہنچادی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ایور شریف حین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر تکمیل دے گئے تھے۔ غرض کہ انگریزی آگوت نے جبراً ہجر موصوف کو گرفتار کر لیا تمام سبب سے لیا اور جہاز عدان کے قید خانہ میں ڈال دیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے معر کو منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہا پڑا۔ پھر رٹا بھیج دیا گیا۔ اور اخیر وقت تک مدوح کو وہاں کے ایام کا ٹھنڈے پڑے۔

مولانا مرحوم اگلے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں اسلئے غالباً مصارف کی ضرورت ہوگی ہم سب کے ہمدرد اور خادم ہیں جسقدر کی ضرورت ہو

بلاترود آپ ہم سب سے ظاہر فرمائیں۔ ہم نے کہا کہ ہم سب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک مقدار
 معذرتہ موجود جو حکومت نے ہم سے لیلیا تھا اور یہاں بھیجے گا وعدہ کیا تھا۔ غالباً دو چار دن میں یہاں
 آجائیں گی۔ اس سے ہمارے احوال بخیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا رہا۔ چلتے
 وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہو کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کر سکیں ہوئے شرمائیں۔ اس لئے تم جو ان کی
 ضرورت ہو مجھے بیان کر دینا۔ جب ہر کو کچھ عرصہ گزر گیا اور نقد کی کوئی خبر نہ ملی گا ادا کرانے بھی باوجود اتفاقاً
 کے صاف جواب دے تو بہت دقت کا سامنا پیش آیا اس لئے رائی بھی ہوئی کہ مجھ کو صحت قرض لیلیا جاو
 چنانچہ جو صوف سے مختلف اوقات میں تقریباً ۵۰ پونڈ لینا پڑا۔ علاوہ ان میں اور بھی بعض آدمیوں کے قرض لینا
 پڑا۔ کیونکہ ہمارے جاننے والے تھے کہ ہر عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میری صحت کے اندر
 کریٹیل علی فطری بیگنے اُن کو اپنے پاس والے عرصے میں منتقل ہونے کو فرمایا اس لئے وہ وہاں چلے گئے۔
 حسب قواعد مقررہ دول متحدہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ میں بہت زیادہ
 انصاف کی توقع

حقوق دے جاتے ہیں اُن کے لئے تنخواہیں بمقدار کفایت دیکھائی میں جبکہ وقت صلح
 حساب کیا جاتا ہے۔ ہر پادشاہت کے بقدر خرچ کیا جواسی مقابل پادشاہت کے وصول کرتی ہے۔ اگر دول
 برابر برابر ہو جاتے ہیں جب تو خیر و زائد مصارف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے چھوٹے
 افسروں کو کچھ پونڈ اور بڑے افسروں کو اپنی کریٹیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ یا ہوا دیا جاتا تھا جس میں سے خوراک
 کی ترسیل تقریباً دیرہ پونڈ ملوار خوب ہو کہ باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ
 مقرر تھا کہ کسی سیک کو خواہ اس کی تنخواہ دیا یا اس کی مقدار جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دیا جاسکتی افسروں
 کیلئے علاوہ اسکے پلنگ نو ہے کے، گدے عمدہ اور تھامپا دیں اور کھیل بھی عمدہ قسم کے، الماریاں اپنے
 چینی کے استغالی برتن، عمدہ کمرے، کرسی میز وغیرہ دے جاتے تھے جو کہ سویل ٹرسے بڑے ہڈ دار دول
 نہیں ملتے تھے۔ ہاں اگر بڑی کنی سے جو کہ اس کے انتظام کی ذمہ دار تھی کس سویلین افسر کے لئے علم ہوتا تھا کہ اسکے
 ساتھ ملنے آفس کا معاملہ کیا جاوے تو اس کے حقوق دیے ہی ہوتے تھے۔ نہ ہی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار
 ہوتے تھے۔

تقریباً دو مہینہ تک ہمارے انتظار اور تکلیف اٹھانی پڑی معلوم ہوا کہ وہ روپیہ ہم سے لیکر فوراً

برٹش جاک میں جمع کر دئے گئے تھے اور پھر چونکہ ٹنوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہیے خصوصاً انگریزی ٹنوں کو
اسلئے اُسکے والر کرنے اور پہونچنے میں تاخیر کی گئی۔ اس مدت میں جب سب نے اتفاقاً زیادہ کیا تو آفس کی
طرف سے قبضین (دوکان) والیکو کمپانی کے نام پر ان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دیدیا کہ وہ ان کے روپیے بلائی
چنانچہ وہاں سے بھی ہم نے تقریباً سارے پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دو سو لوگوں کے بھی قرض لینے
کی نوبت آئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ۲۵ مارچ کو مل کے مطابق ہر رجب ۱۲۵۵ھ کو ہسکوئی کس دو پونڈ کے حساب
سے دس پونڈ وصول ہو چکے تھے اس قدر خریدا کر دیا گیا۔ فقط سچو حسن عزت بیگ کا قرض اس ہفتہ میں نہیں ادا
کیا گیا۔ چونکہ بیانیہ فیس چیزوں کی اس قدر گروں تھیں کہ فرائض اسی چیزوں میں دس بارہ ٹنلنگ خرچ ہوئے
سمولی بات ہوتی تھی (ایک پونڈ ۲۰ ٹنلنگ کا ہوتا ہے) اسلئے بہت زیادہ مصاریف واقع ہوئے خصوصاً
ابتنائیں۔ اسلئے کہ آئندہ کے انتظامات کے لئے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا۔ جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا
ہے اور کچھ بنائے تنظامیاں بھی ناواقفیت اور نا لیلیق واسطوں کی وجہ پیش آئیں۔ ہر شعبان ناک تمام مقدار
(۷۷) پونڈ کی آفس سے وصول ہو گئی تاکہ مولوی عمر بیگ صاحب کی تحویل میں رہتی تھی ہفتہ وار خرچ کے لئے
انہی حساب لیا جاتا تھا۔ یہ مقدار نقد کی برابر خرچ میں آتی رہی۔ اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت رسی
انتظام کیا مگر گرانی اشیاء اور گوشت کے نہونے اور دیگر ضروریات کی وجہ ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ پڑتا ہی رہا
چونکہ ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی مقدار موجود تھوڑی تھی اسلئے چھونک بھونک کر
قدم رکھنا پڑتا تھا۔ غرض کہ ابتدائے ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۵ھ سے (جو کہ اگلادون دخول ماننا کا ہے) اور
ربیع الاول ۱۲۵۵ھ تک ہم نے اس (۷۷) پونڈ کی مقدار کو خرچ کر ڈالا۔ اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت
یہ دیکھی اور اسارت کی نہایت کی کوئی اطلاع نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ تیرہ ہزار نقد جو کہ تقریباً (۴۰) پونڈ
یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ والہ بھواد و چنانچہ منشی محمد حسین صاحب نے (۳۵) پونڈ نقد اور دیگر
ضروری اشیاء پانچھالیس وغیرہ بذریعہ معتمد بریطانی معین جیدہ بھجوا یا جسکی صورت یہ اقدیم ہوئی کہ اگرچہ ادا آجندہ
کی حکومت قبول نہیں کرتی تھی مگر جب ہم نے بذریعہ آفس گورنر مالٹہ سے خواستگاری کی کہ ہماری ضروریات میں
اور نقد مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد بریطانی معین جیدہ منگادی جائیں اسوقت وہاں سے حسب قنون حکم کیا گیا اور ہمارے
نقد وغیرہ آگئے۔ چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۷ محرم الحرام ۱۲۵۵ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ میں تک

موصول ہو گئی جسکو بدامانت علیحدہ مولوی عزیز گل حصا کے پاس رکھا گیا۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ سے اس
مقتدر میں سے پرخ کرنا شروع کیا گیا اور ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۱۵ء تک یعنی تقریباً
تین مہینوں تک اس مقتدر میں سے صرف ۷ پونڈ خرچ کیا گیا۔ اور نہایت کفایت شعاری کو کام میں لایا گیا اس کے
بعد اپریل ۱۲۳۵ھ سے نقد گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہو گیا جسکی تفصیل آئندہ ذکر کیا ویگی۔

مشر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ہمارے ساتھ ہی روگیت کپے
عرب کپے کمرہ میں آگئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے۔ اگر خلاف
طباع امور پیش آتے تھے تو ہمہ وقت حاکم اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وجہ حالت تھی
کچھ بھی دونوں کے بعد رفقا میں خلاف طبع امور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہو گئیں ہم نے ہر طرح
اصلاح کی کوشش کی ان دونوں حضرات کو مصالیف زائدہ کی گرانباری کا بھی قائل کیا خدمات وغیرہ میں
بھی حتی الوسع ان کی خبر گیری اور بہادری پوری طرح کی گئی مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ماہ رمضان ۱۲۳۵ھ
مطابق اوائل جولائی ۱۹۱۵ء میں مشر سیدار علیحدہ ہو کر روگیت کپ کر چلا گیا اور پھر ڈاکٹر غلام محمد راہ مکتوبہ
مطابق ۱۰ آخر ذی الحجہ ۱۲۳۵ء میں روگیت کپ میں چلے گئے۔

مشر سیدار اور
ڈاکٹر علی بیگ

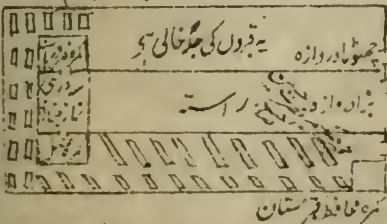
ہمارے مالٹہ پہنچنے سے پہلے ترکی دوافضوں میں کچھ اختلافات روگیت کپ میں واقع ہوئے
یہ دونوں ترکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہو کر مصر میں موجود تھے کہ علان جنگ ہوا۔ حکومت
انگریزی نے دونوں کو معہ دیگر امراء کے یہاں مالٹہ میں بھیج دیا تھا۔ علی بیگ ترکی حکومت
میں یوزباشی (کپتان) فوجی تھا اور دوسرا ڈاکٹر تھا۔ ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی۔ شب
سوتے ہوئے علی بیگ نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چہری سے سخت زخمی کر دیا۔ ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور
علی بیگ کو قید خانہ میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹر کو ایسا زخم کا دی لگا تھا کہ وہ عاجز نہ ہو سکا۔ مقدمہ قائم کیا گیا جسکا
نے اسکی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا۔ ترکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کی گئی۔ وہ اس بھی اجازت آگئی۔ آخر کار
علی بیگ مرحوم کے لئے پھانسی کی تیاری مقرر ہو گئی۔ جبکہ اسکی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹہ
پہنچے۔ حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اسکو پہنچی اسے وہیں جیلخانہ میں درخواست کی کہ میں مولانا
سے ملنا چاہتا ہوں۔ غالباً یہ درخواست اسکی پھانسی سے پہلے ہی چنانچہ اس نے مولانا کو

علی بیگ
واقعہ

موٹر پر وہاں پہنچایا۔ شخص چونکہ علی باشندہ نوٹس یا الجیر یا کاتھا سلیبی عربی زبان خوب جانتا تھا
 اسنے مولانا مرحوم سے باتیں کیں اور بہت زیادہ گردیدہ ہو گیا۔ دوسرے دن پھر طلب کیا اور پھر بیکار کا تب
 الحروف کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت میں بھی موجود ہیں
 اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں۔ اگرچہ مولانا مرحوم کو ان امور سے کوئی سابقہ خاص
 طور سے نہ پڑا تھا اور نہ ان کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی مگر اسوقت میں اس کے سامنے انکار کرنا بھی غیر مناسب
 معلوم ہوا۔ اس نے علاوہ کاتب الحروف اور مولانا مرحوم کے اور بھی مصر اور رڑکی کے بعض آدمیوں کو اپنی
 تکفین وغیرہ کے لئے طلب کیا تھا چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کی وقت ہم سب ہوں کو افس میں بیٹھے
 وہیں ہم سب ہوں نماز فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہنچے۔ تقریباً سات یا آٹھ بجے پھانسی کا
 وقت آگیا۔ وہاں ہی سبوں کے لئے چار حاضر کی گئی تھی سبوں اور خود علی بیگ نے بھی چار پی اور پھر کچھ
 وصیتیں کیں اور جب وقت پھانسی کا آگیا اور اسکو ہتکڑیاں پہنائیں گئیں اسوقت اسے مولانا نے درخواست
 کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے جب تیرہ اور تختہ تک میں چنانچہ اس نے مولانا کے ہاتھ پکڑ لئے اور
 پھانسی کے تختہ تک برابر لیگیا۔ باقی لوگ سب کے سب چوڑے کے نیچے کھڑے تھے جب کو تختہ پر گزر گیا
 تب اسنے ہاتھ چھوڑا۔ مولانا مرحوم اس کے قریب وہاں ہی رہی اسی دم اسکو حلقہ پھانسی کا پہنا دیا گیا
 اسنے کلمات شہادت ادا کئے اور تختہ ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد سب لوگ باہر کھڑے گئے۔ تھوڑی دیر کے
 بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خامس گاڑی میں جو انسی نعش کے ڈھونپ کے
 لئے گھوڑوں کی وہاں ہوتی ہو رکنڈی گئی اور ہم سبوں کو موٹر میں زیر حراست قبرستان اسلام میں پہنچا گیا
 سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے ماٹیاں اسوجہ کے اب اسیں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں
 رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے
 بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے ہیں۔ جہازوں میں بعض مسلمان افسان ہوتے اور وہاں بڑے مداوت
 اتار دے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض مر بھی جاتے ہیں۔ بعض جہازوں کے مرے بھی وہاں اتار کر
 جاتے ہیں۔ ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لیکر اسکا بڑا احاطہ اور حسب
 ضرورت اس میں تعمیر بنوائی ہے۔ تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہے جس میں ایک طرف کے حصہ

اسلامی قبرستان

میں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریات غسل بھی وہاں مہیا ہیں اور دوسرے
 سامنے کے کمرہ میں بعض ضروریات نماز جنازہ و فرش وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ چچ کا دالان نماز جنازہ کے لئے
 ہے دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی جو اپنے اہل و عیال کے رہتا ہے
 جو کہ ترکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے۔ قبروں کا کھنڈنا اور غسل کے لئے پانی وغیرہ حاضر کرنا اس کا
 منصبی فریضہ ہے۔ چونکہ مالٹا میں کوئی مسلمان نہیں دو ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر میں بھی تو وہ ایسے
 کاروبار نہیں کر سکتے اسلئے مجھ کو ہی اس کام کے لئے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ترکی حکومت کی طرف سے ہر سال ایک
 عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ ایجنٹ ہوتا ہے ہر مسلمان مردہ کی تجنیز و تکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا
 کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے اس کی بجا قیام ترکی سفیر کا منتظر ہے جب کوئی
 مسلمان مرتا ہو تو گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے اس کو اطلاع دیجاتی ہے وہ گورنمنٹ کو اطلاع دیتا ہے اور حسبِ عدہ
 شہر غیر عمل کرتا ہے۔ گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے بھی اس کو ایک نوٹ دینی کس ملتا ہے اور غالباً گورنمنٹ کو بھی
 کچھ ملتا ہے۔ ایام جنگ میں وہاں کے امام جمال الدین آفندی دیار بکری تھے۔ سفیر تو حسبِ عدہ اعلانِ جنگ
 سے پہلے ہی چلا گیا تھا مگر امام و صوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اس پر کر دیا گیا۔ بدین حیلہ کہ ترکوں نے
 ہماری ایک عورت کو اس پر کر لیا ہے اسلئے ہم اس کے بدلہ میں لکھو بھی اس پر کرتے ہیں۔ کراچی قسم کا انتظام
 خلافت ترکی کی طرف سے یورپ کے جلالین مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمد رفت ہو یا سفر وارد و ران ہوا
 رہتے ہوں جیسے لندن۔ پیرس۔ مارسیلیا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے قبرستان میں پہنچنے کے بعد ہی تھوڑی
 دیر میں جنازہ پہنچا اسی وقت پانی وغیرہ منگایا
 گیا۔ موجودہ لوگوں میں ایسے لوگ نہ تھے جن کو
 قواعد شرعی کے موافق غسل دینے کی نوبت
 باقی ہو اسلئے کاتب الحروف نے اس طرف
 توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبد الحمید مصری
 اور علی آفندی قسطنطنیہ وغیرہ کو مبین بیکرم جوہر کو غسل دیکر کفن یا حضرت مولانا مرحوم نے نماز پڑھائی اور دفن کر کے
 والیں ہوئے۔ قبرستان کا ہوا نقشہ تقریباً بصورت مذکورہ جو ملے جو کہ قلعہ کا ڈرائیٹر تھا اسلئے قبریں



قبرستان مالٹہ

عمارت کے لحاظ سے فراٹھ بھی بنائی جاتی ہیں حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا تھا اسکے بعد جب کسی قبرستان میں جانا ہوا ہے تو اسکی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے :

غالباً ستمبر یا اکتوبر عشرہ عین ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور گمانہ بنے کیا کہ ہمارے پاس آپ کے لئے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطر داری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق و فوجی کپتان کے لئے جاتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ملحوظ ہوں اسلئے ہم آئندہ ان کا

مولانا کی مراعات کا حکم

اہتمام کرنے کے لئے مگر آپ کو فی ضرورت یا شکایت ہو تو بیان فرمائیے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کمپ میں جا کر کل کو ٹکسٹریجیوروں کا۔ اس نے کہا کہ اپنے قیام کیلئے جس کمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کر دیں گے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں اس کمپ ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا اس لئے کہ کہہ دو اور وال فرسٹ میں چھ اور آرام کے مکانات میں مولانا نے فرمایا کہ میرے لئے پیشاب کی سخت تکلیف ہو اسکا کوئی انتظام کر دیجئے باقی امور کو میں کل لکھوں گا :

مولانا مرحوم کا طبی مذاق تھا کہ وہ غذا اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عمارت بس اس چال، معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے سید اسس تھا۔ ریل میں بھی تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے

عرب کو پسند کرنے کی وجہ

تھے۔ مگر بائیسٹہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عموماً کافر ساتھ رکھتے تھے کیونکہ بہت میلہ کچیلہ آدمیوں کی بدلو سے سخت تکلیف ہوتی تھی عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا، و تم تعاری، تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بار بار حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ ”عوام ان کل پانچائے فضاے حاجت کی جگہ بھی برکت والا ہے“ یعنی وہ پانچائے جو فرائض اور امر اور کیلئے بنا ہے جاتے ہیں اگرچہ وہ ضا اور سترے اور بدبو سے مزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے۔ خلاف عوام کے پانچائوں کے حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلقی مرغوب ہو وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا اندازہ خواہاں ہو اور یہی تمام بڑائیوں اور دنیا و آخرت کی سیاہ رویوں کی جڑ ہے۔ اسلئے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلقی اور اس کا تیز احساس کرتے ہیں اسکو بڑائی کی نظر

سے دیکھتے ہیں اور جسیں کس نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہو اسکو محبوب کہتے ہیں۔ ظاہری بدبو اور کثافت
 مادی، معنوی بدبو اور کثافت روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی رکھتی ہے امر اور کاپا پانچ
 نفس میں غیب اور رعونت پیدا کرتا ہو اور عوام الناس کا پانچخانہ اسکو نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ برخلاف اسکے
 تواضع اور نفس کی حقارت دکھاتا ہے اور انسانوں کو قدر سے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلانا ہی
 جبکہ پانچخانہ کی یہ حالت ہو تو دوسرا وضو، اطوار، کھانا، البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمایا جائے
 فرماتے تھے کہ فقہاء نے حوض سے وضو کر کے کو افضل لکھا ہے بشرط فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ تہ کہ معتزلاً
 خلاف ہو اور ان کی دشمنی کیجائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کر کے پر کسی قسم کا انکار
 کیا ہو۔ میری سبچ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہو اور اُس پر نہایت شاق بھی لگتا ہے
 کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہو اور اُنسی پانی کو منہ میں اور ناک میں نکالتا
 اور اُس سے چہرہ کو دھو تا ہے۔ اسلئے نفس مادہ واسے اور بڑے بڑے دنیا دار اس سے وضو کرنے میں اپنی
 ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہو۔ واقعیت تو یہ ہے کہ
 یہ دونوں استاد شاگرد (یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز اور حضرت مولانا شیخ المذرحہ رحمہ اللہ
 تعالیٰ) اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری
 ہوتی ہو اسلئے اُحد کو شال ہوتے تھے۔ اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت
 تعلیٰ، خود داری، ہوتی تھی اُس سے کوسوں بھاگنے کی فکر میں کرتے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ
 کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو لیوں تو ہم سبہوں کی حالت ہو کہ اپنے آپ کو زبان کمزورین خلایق
 سمجھ لیا، ذرہ بہ مقدار، نابکار، فکب خلایق، وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں مگر یہ بکار دہائی
 منافقانہ اور یاکاری کی بنا پر ہوتی ہو قلب میں اسکا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اسکے برعکس ہی خیال دل
 میں جاگزمین ہوتا ہے کہ چھوٹے دیگر سے نیت اور اسی وجہ دوسروں کی زیب جوئی اُن کی نکتہ جینی غیبت وغیرہ
 ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ سابقہ اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن
 میں گسسی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اُس میں عیب نکالے جاتے ہیں گو کوشش کیجاتی ہو کہ یہ شخص
 لوگوں کی نظر سے مارتا ہو جگا۔ اگر کوئی ہلکو جاہل، نالائق، احمق، گدا کا لٹا، سور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو

اگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کترین خلائق کہنے میں سچے تھے تو گدھا کتا وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانستے ہیں آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہے۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنالیا تھا کہ صادقین کے زمرہ شریف میں داخل ہو کر منسوبِ عظیم حاصل کر لیا تھا اُن کی یہ فروتنی کس نفس جالی تھی قالی نہ تھی اُن کا قلب اسی بات کو دیکھتا تھا جسکو اُن کی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی۔ وہ اپنے آپکو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک دنی درجہ کا انسان دیکھتے تھے۔ محکو اس وقت مولانا عبد العزیز مرحوم مدرس دارالعلوم دہلی کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گذرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں، جن لوگوں نے مولانا کے احوال اور اُن کی لائف پر تقریری سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اسکو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا و افضل دیکھتے اور ایسا ہی اُس سے معاملہ کرتے تھے۔ یہ حالت اُن کی طبیعت نیکی تھی جس میں ابھی تکلف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہل نصرت تھے اہل مال نہ تھے اہل علم نہ تھے بلکہ عوام الناس میں سے تھے مگر قلوب میں اُن کے ایمان تھا دماغ میں اُن کی انکساری تھی سبب میں اُن کے اسلام کا روشن چراغ تھا اُن کے جگر میں ساوگی اور مذہبی درد تھا اسلئے مولانا مرحوم کو اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحاب نصرت کیساتھ بسر کرنے اور کروڑوں سامانِ احتِ جسمانی سے زیادہ تر محبوب اور پسند تھا۔ یہاں پر روحانی راحت تھی یہاں پر کوئی تکلف کی حاجت نہ تھی۔ یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی اُن لوگوں کو جو نصیحت کیجاتی تھی دل چاہتا قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی کی کوشش کرتے تھے اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہمو کوئی خدا اور رسول کا حکم اور فرمانِ معلوم ہو جا کہ ایمان تازہ ہو۔ پھر اس کپ میں اگر پتہ نیچے کے درجہ والوں میں دھنسا ہوتا تھا مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ کپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا ہر چیز ہم نہایت آزادی استلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے۔

مولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم کیا کہ جن چیزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اسکو لکھو۔ اسلئے ہم نے انگلینڈ ایک مفصل عرضی لکھی جب کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مال نہایت سستی جگہ جو جس طرح اہل یورپ کو آذوقہ کی گرنی سستانی اور امراض پیدا کرتی ہے

اسی طرح ہم لوگوں کو ان سرد ملکوں کی آب و ہوا مناسب نہیں ہوتی۔ میں (مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں۔ ہمیشہ وطن میں باوجود گرم ملک ہونیکے سردی سے محکوم بہت زیادہ مقرر پہنچتا تھا۔ اسلئے میں مادہ کی تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ مجھ کو اپنی اور اپنے رفقاء کی نسبت یہی خوف رہتا ہو کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا سامنا نہ ہو جاوے۔ اسلئے ضروری ہے کہ جبکہ میں کسی قسم کا واقع میں جرم نہیں ہوں تو جلد آزاد کر دیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو جائے کہ مجھ کو اس قدر ہی رہ کر رکھا جاوے کہ اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل کر دیا جاؤں۔ اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو کر دیا جاتا کہ وہاں کے ان شہروں میں مجھ کو رکھا جاوے جہاں پر سردی زیادہ نہیں ہوتی تاکہ اسلامی شہر سرد و گرم ملک ہونے کی بنا پر چھوٹا سا تکلیف کا سامنا نہ ہو۔ پھر کو اور میرے رفقاء کو کھانے کی سخت تکلیف ہو ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر طبی حیثیت سے بھی براہ زندگانی شمار کیا جاتا ہے مگر موجودہ گوشت ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ مالٹا سے اگرچہ زندہ حیوان ہنگانے کی ہلکو اجازت دیدی گئی ہو مگر وہ اس قدر گراں ہو کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف کرنے میں بھی اکثر خرچ ہو گیا۔ علاوہ اسکے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور عادت کے موافق جیسے ہمارا نشو و نما ہو اسے مناسب میسر نہیں ہوتی۔ لباس جو سرد اور کولتا ہو اس سے بھی ہم نفی نہیں کھا سکتے کیونکہ وہ ہماری وضع کے بالکل مخالف ہے۔ ہم نے ایک سال سے زیادہ تو چھپکچھپ کر فقط دو تین چیزیں ضروری بنی ہیں اب تک ہم اپنا لباس جو ہمارا تہ تھا مستعمل کرتے رہے مگر وہ اب پورا نا ہو گیا ہوا اسلئے اسکا انتظام ہونا چاہیے ہمارا اس مکان سے بدل کر دو سو گپ میں جائیں گی ہرگز خواہش نہیں مگر البتہ ہمارے جو تکلیف ہیں ان کا دفعہ کر دیا جائے یعنی پیشاب منہ کیلئے کوئی قریب جگہ ہو کہ بافضل نوازی بلسے اور ہماری آزادی یا انتقال مکان کے لئے بہت جلد کوئی صورت پیدا دی جائے۔ اس عرضی کو عربی و فارسی میں لکھوا کر کماندار کے پاس بھیج دیا گیا اس کو وہی ایک دن پہلے یہ بھی ملاحظہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلا کر مولانا سے ان کی محنت وغیرہ کی نسبت پوچھا تھا اور کہا تھا کہ گوشت ہند سے حکم آیا ہے۔ آپ کی محنت کی تحقیقات کر کے میں اسکو اطلاع دوں اس سے جی یہ بھی انور کھدے گئے تھے۔

اس عرضی کے بعد فقط اتنا ہی ملاحظہ ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگہ اور ذرا بڑا لکڑی والا کدہ مولانا کے لئے آیا

اور ایک کو ٹھری میں جسکے میں نشان پہلے دیچکا ہوں پیشاب کے لئے بالٹھ اور چوکی رکھوا دی گئی جسے شب کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور دوست سہ ماہیہ پیشاب کرنے کے لئے باقی امور کی طرف دینی توجہ بھی لگی تھی اس واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد ادا جز جنوری یا ابتدائے فروری ۱۳۱۷ء میں ایک دن ہم سب صبح کو آفس میں بلائے گئے بلکہ کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر میں ایک طرف سے کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے کچھ عرصہ کے بعد کماندار اور اُس کے ساتھ ایک بڑھا انگریز دونوں آئے اور مولانا اور ہم بہت ہاتھ ملاکر بیٹھ گئے اُس بڑھے سے اردو میں باتیں کرنی اور مزاج پرسی وغیرہ شروع کر دی۔ مولوی عزیز گل صاحب نے خیال کیا کہ یہ سنسرت ہے اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہو اُسے جب اُس نے جب خطوط اور پارسلوں وغیرہ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے نہایت بے رخی سے کہا کہ آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں یکسر لہجہ اور اسی طرح اور بھی کچھ انگریزی باتیں کیں اُس نے کہا کہ آپ عزیز گل ہیں اُن کو اس اُفتیت پر تعجب بھی ہوا اور پھر غالباً اُن کے مسکن شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اس وقت اُن کا تعجب کچھ زیادہ ہوا اُس نے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر باتیں کے خصلت کر دیا مگر حکیم نعمت حسین جتنا مرحوم کو روک لیا اور دوست کر دیں لیجا کر اُن سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور کچھ بیان قلمبند کیا اُس کا ہنونی ضلع فتحپور سے ہوا اس ملک کا اُس کے حکیم صاحب موصوف اُس کے ہنونی سے بوجہ زمینداری اُفتیت بھی رکھتے تھے اُس کو بھی تقریباً موقوفہ سوجہ ملا اُس نے اُنہیں ان کے متعلق پوچھا جنکا ذکر مصر کے انصار میں آیا تھا مگر اختصار کے ساتھ۔ البتہ حکیم صاحب سے اُن کے ضلع اور زمینداری اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عمائد کے متعلق بیان کیا اور یہ کہ وہ بالفعل گورنر ایوپی سسٹن کا سکرٹری ہے کچھ عرصہ کی خدمت لیکر انگلستان کو جا رہا ہے جب حکیم صاحب سے واپس آئے تب حقیقت کی اطلاع ہوئی رستم کو دیکھ کے بعد مولانا مرحوم کو بلا لیا اور انہیں معمولی باتوں کی نسبت پوچھا جنکا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا۔ مولانا نے اُسی قسم کے جواب دئے البتہ نئی بات اُسے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اُس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسام مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے یہاں اسپین کی مثال کیا ہے اُس نے کہا کہ اکی کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اُس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا

سٹریٹ
کی آمد

مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب معنوں میں ہتھال کیا جانتے اور حقیقت میں یہ دونوں اُسکے درجات ہیں جنکے احکام جدا ہیں ایک یعنی کی حیثیت سے اُسکو دار الحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے اُسے اُسکی تفصیل یو بھی۔ مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب اُس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اسقدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اُسے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں اُسے ہندوستان ضرور دار الحرب ہے اُسے کہا کہ دوسرے معنے کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شرع اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کیجاتی ہو۔ یہ دار الحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہو اگر استطاعت (صلاح نہ ہو) اُسے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جسے دار الحرب کہنے سے احتراز کیا غالباً اُسے اسی کا خیال کیا ہے۔ وہ چپکا ہو گیا اور لکھ لیا علاوہ اُسکے اُسے وہاں (والہ) کی کیفیت وغیرہ دریافت کی۔ مولانا نے وہاں کی سڑی وغیرہ کا ذکر فرمایا اُسے مزاجی حالت دریافت کی اور یہ کہ یہاں کی بول سے آپ کی محنت پر کیا اثر ہوا اُسکی نسبت بھی مولانا نے مختصر کیفیت مخالف ہوا اور یوم الدین میں رسیدگی اور ضعیف العمری کی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھ کو قید رکھنا ہو یا نظر بند رکھنا ہو تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیوبند میں لے کر جھدر جاؤ تو مجھ پر جو کسی مقرر کر دو یا وہاں ہی کسی دوسرے مقام پر نظر بند کر دو مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبعی اور میری محنت کی حیثیت سے کسی طرح موزوں نہیں۔ اُسے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔

اسی طرح روزانہ صبح وشام اور دوسرے وقت کے بیانات لکھے۔ میں (مکتبہ محروف) نے حسابات اس بیان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملائے اور پھر ان کی مذاکرہ اور سامان رسد اور آب ہوا و موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں اور پھر یہ بھی کہ کہ ہکو تقریباً دویڑہ ہزار یا سو ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آ گیا ہے۔ ہم ہر چند کفایت شعاری کرنے میں مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا و خیرہ سے ہکو بیان سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں جیکے اسقدر تو طمانانہ سلوک کر ہی رکھا ہے اور پھر بھی ہماری ضروریات اور محنت طبعی کی طرف ادنیٰ درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی۔ ہمارے ساتھ مصری تین ہیں

گورنٹ مصر اُن کے اہل و عیال کیلئے دس دس بارہ بارہ پونڈ اور بعضوں کے لئے اس سے زیادہ ماہوار خرچ
 ذمہ دار اُن میں سے بہتوں کیلئے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے۔ میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اڈریانوئل میں
 نظر بند ہیں مگر اُن کو چھ پونڈ ماہوار ٹرکی حکومت دے رہی ہے اُن کو قلعہ میں رکھ رکھا ہوا ہے دن بھر تمام
 شہر اور محلات شہر میں پھرنے کی اجازت ہے فقط شہر سے دوسری جگہ سفر کرنے کی اجازت نہیں اہل و عیال
 کی بھی اجازت ہے اور جب اہل و عیال کے پاس آگئے ہیں جب ہر ایک عورت اور بچے کی بھی اسی حد
 سے تنخواہ مقرر ہو گئی ہے اُسے اسکی تصدیق سے انکار کیا۔ میں بھائی صاحب کے خط کو (جو کہ اڈریانوئل
 سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا) لیگا تھا اسکو جب سے نکال کر دکھانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے اس خط میں عربی میں
 مٹا لکھا ہوا ہے اُس نے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ انہوں نے اپنے افسر کے اثر سے یہ لکھ دیا ہو گا
 حقیقت یہ ہے کہ بقول شاعر اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونه (جب آدمی کے اعمال ہوتے
 ہیں تو اُسکے خیالات دوسروں کے ساتھ بھی ویسے ہی پڑے ہوتے ہیں) برٹش گورنمنٹ اپنے ہی
 جیسا کہ میں سمجھتی ہے کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دیکھتے ہمارا اسیروں کے ساتھ ایسا اور ایسا برتاؤ
 انہوں نے کر رکھا ہے اور اس قدر آدمی وہاں مر گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپکو پہنچی ہو۔ یہاں خطوط
 وہاں لوگوں کے آ رہے ہیں ٹائمز میں لندن کے انگریزی اسراء کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپ کر آچکے ہیں نہایت
 شہرہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاہی اسراء تو درکنار جنگی اسراء بھی کانٹے دار تاروں میں قید
 کر کے نہیں رکھے گئے۔

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسراء کی رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت
 اسکا آدھا تہائی بھی نہیں کیا۔ بلکہ ابتدائے جنگ میں تو برطانیہ نے ٹرکی اسیروں کیساتھ
 جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے نہایت برا سلوک کیا افسروں اور بڑے رتبہ
 والوں کیساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا مگر جب وہ دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور ان کے
 بھی اسیر کر پڑے گئے اسوقت سے کچھ ہوش آ یا اور حقوق اسارت کا خیال ہوا۔ پہلے تو جب اسیر افسروں نے
 اپنے حقوق کا حسب قوانین دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور چار دن کی ہے
 ہم اگر تم پر خرچ کریں تو کس سے وصول کریں گے۔ جو اسراء عراق ہندوستان کے مالہ آئے تھے اُن سے جملہ

ٹرکی میں اسراء کی
 حالت

احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے۔ میری خود ان لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کہ ٹرکی کے یہاں سیر تھے پھر ان
افسروں سے ملاقات ہوئی جنکے زیر تحویل اسرا انگریزی تھے۔ اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سننے میں
آئی بعض انگریز اسرا جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور ان کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور
بعض دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کی واسطے
اسرا نگاہ میں آئے تھے انہوں نے اپنے اور دیگر اسرا کے معاملات نہایت شکریہ اور تحسین کے الفاظ میں
میں بیان کئے تھے۔ یا انگریز مستنبول میں تجارت کرتا تھا ایام جنگ میں سیر ہو گیا تھا اس نے مالٹہ کے اسرا کی
حالت دیکھ کر ٹرکی کے اسرا کی حالت کو بدتر جہاں ترجیح دی اور گورنمنٹ ٹرکی کی انسانیت اور ہمدردی کی
بہت تعریف کی۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنی ٹوٹ کے گمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ اسرا سے وہ معاملات
بھی نہ کئے جو بین الدول ہمیشہ سے مقرر چلے آتے تھے۔

یورپ کی عادت یہ ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کرتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنی
پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کرتا ہے۔ بسا اوقات انسانیت اور حقوق و عدالت کی ایسی کارروائیاں شائع
جسکا کسی بہر خیال بھی نہ ہوتا تھا ان کو فوق القانون قرار دیکر کمزور حکومت سے عملدرآمد کرتا ہے اور جب اپنے
عمل کی باری آتی ہو اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارا قانون پرے رہ جاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی
بادجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع و اقسام کے مطالبہ اور بے قاعدگی برتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن اصلی تہذیب، حقیقی قانون، نفس الامری عدل، فقط قوت ہر اسکا اصلی
مذہب، جسکی لاشی اسکی بھینس ہے جو قوم غیر یورپین اور غیر سچی ہو وہ اگر کمزور ہو تو ہر طرح وحشی
اور غیر تمدن ہر اسکے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہو کہ نئی نئی منطقیں گھر گھر جملہ اعمال کو
قائدہ عدل و انصاف میں داخل کر دیتا ہو اس کے یہاں خلف وعدہ اور نقص عہد کو کوئی عیب نہیں۔ بلکہ کمال
ہے۔ اسکی نظروں میں جو شخص زیادہ سکا زیادہ غریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا
ہے وہی بہت زیادہ پائیکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے۔ اسکا اصل اصول یہ کہ دوسری
اقوام کی بنیادی زندگی، لوازمات، حیوۃ، اسباب خوشحالی و جوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان

کرادینا اور اس مقصد کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت ہے۔ دوسری
 اقوام خواہ اپنی زندگی گانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا اتوسیدھا ہونا ضروری ہے۔ اگر دیگر اقوام پر کسی وجہ
 میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر ان کو باقی رکھنا پاتا ہے کہ ذلیل و خوار ہو کر کتے کی زندگی بسر کرتے ہو
 غلامی میں سرگرم رہیں اسکی جھین لکھوٹ غزا باور کمزور طبقہ پر انبیاء اور ذی ثروت طبقہ سے فائدہ ہے اسکی
 جھینٹوں پر چڑھنے والے دوچار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افراد ملک کو اس کے ہر مقصد پر نثار ہونا
 ضروری ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے وقت گرجے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اسکو خیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے
 اور ضرورت کے پورے ہو جانے کے بعد طوطہ خشبی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے
 اعلیٰ اور ادنیٰ اہل سستی اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا ان پر شب و روز
 سنگینی پہرنے قائم کرنا ان کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا۔ ان کے احوال اور مرتبہ
 اور عادت کے موافق سامان رحمت ایام اسارت میں بہم نہ پہنچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول کے
 مطابق کسی طرح جائز نہ تھا۔ ترکی نے حسب قوانین دول و لوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دے
 مگر بد نصیب ترکی ایشیائی تھا یورپین نہ تھا۔ مسلم تھا مسیحی نہ تھا۔ کمزور تھا قوی نہ تھا۔ اسکی بھلائی
 بھی برائیاں ہو گئیں اسکی مراعاتیں بھی مظالم ہو گئیں۔ اسنے دوسری دول کے اسرار کے ساتھ وہ معاملہ
 کئے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور اندرونی کے ساتھ نہ کئے تھے۔ مگر وہ خطا دار نکلا۔ برٹش نے
 سب کچھ کیا مگر وہ سب بھلا کا بھلا ہی رہا۔ مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ جو جو کارروائیاں کی گئیں
 ہیں جنکو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان کو معلوم کر کے رونگے کھڑے ہوتے ہیں پھر بالخصوص
 رمنی ڈاکٹر انپر رکے جاتے تھے جنکو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر پھر کاے جاتے تھے
 ان کی ہر طرح امداد کیجاتی تھی۔ پھر کچھ نہ پوچھئے کہ انہوں نے ترکی بے زبان سید سادھے مسلمان سپاہیوں
 پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل جلالہ کے علم اور ستار پر تعجب ہوتا ہے
 میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی۔ آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔ یہ قطع یورپ کا کس طرح زمین
 قائم ہے۔ یہ ظالم درندے کب تک خداوندی و حیل میں سر جڑے رہیں گے اور کب تک مخلوق
 خداوندی کا خون انکی تیز و سخت کچلیوں کا شکار بننا رہیگا۔ اسے اللہ اپنی کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن

اسے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کر۔ لے خدا ہماری اصلاح فرما۔ اور ہمارے دشمنوں کا
نام نشان روک زین سے اسی طرح مٹائے جس طرح تو نے فرعون ہامان قارون و مرد مشہاد کا نام نشان
گم کر دیا آمین یا رب العالمین۔

میں نے مشربرن سے ہندوستان کے سیاسی اسراء کا حال بھی ذکر کیا کہ ہم کو معلوم ہوا جو کہ گورنٹ
ان کی دودھ سوار تین تین سو ماہوار سے خبر گیری کرتی ہو اس نے اقرار کیا مگر مہربی مقداروں کا انکار کیا۔
اس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر و غما میں حکیم عبدالرزاق صاحب انگو
پچاس روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنٹ کے لئے تھی۔ قانوناً یہ
فریضہ گورنٹ کا تھا چنانچہ حکومت مصر یہ ترکیب غیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات
اسنے لکھے اور کہا کہ میں ان کا غذات کو پارلیمنٹ میں پیش کر دوں گا۔ میں کچھ صوبت آپ لوگوں کے لئے نہیں
کر سکتا۔ پھر مولوی عزیز گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے سرحدی اخباریں وغیرہ پوچھیں مگر انہوں نے
حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا اسنے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ کو
مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں اسنے کہا کہ ہاں، کہا کہ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی
تصدیق کے ہوئے اور اسکے تمام حقوق کو ماننے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہو اس نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے
کہا کہ پھر اسکے کیا معنی کہ آپ مجھے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے
اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں

سبہوں کے بیانات لکھنے کے بعد اسنے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا اور اصرار دہر کی
باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تمہارے کوئی الزام نہیں پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ہندوستان
آپ بھی جاسکتے ہیں۔ اسی کے قریب ان سے بہاؤ الدین اسپیکر سی آئی ٹی نے جتہ
میں بھی کہا تھا۔ مگر انہوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی۔ یہ کہا کہ آپ کو
ہم سبہوں کو چھوڑنا چاہیئے اسنے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر مختار الامر میرے اختیار میں ہے
انہوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان لے جم کو کھا جائیں گے اور
کہیں گے گم مولانا کو پھنسو اگر اکیلے چلے آئے۔ میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں سے لوٹ کر جب آئے

حکیم نصرت حسین صاحب
کی استقامت

اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبوں نے بہت اُن کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان کیلئے
 جانے پر راضی ہو جائیے اور چلے جائیے مگر انہوں نے ایک بھی نہ مانی۔ مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ
 وہاں جا کر ہماری خلاصی کی کوشش کر سکتے ہیں مگر یہاں تو ہماری طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پرک
 ہیں مگر اُن کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا۔ اور پھر تیسری مرتبہ جب سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے
 اُن کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی اب ہو کی درخواست دید و انہوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات خدا
 ہاتھ میں ہیں میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ خداوند کریم اُن کی مغفرت فرمائے۔ نہایت ستقیم اور ایماندار شخص تھے
 مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ اچھے شنگ اور مولانا مرحوم کو تین شنگ
 دیا جایا کرے۔ اور علاوہ اسکے روٹی (پتھر) پس کھنے کی وجہ سے کہ ہم روٹی نہیں کھا سکتے
 گورنمنٹ کی روٹی لیں گے) کوئلہ، شمع، صابون، جسم کا دت سابقہ ملنے کا حکم جاری
 کر دیا اور یہ کہا کہ ماہوار ان سے قبض لے لیں اور پھر خط لکھ کر ہندوستان بھیج دیا کہ وہ اس آٹار بھیجے گا۔ کپڑوں کے
 واسطے بھی اُسے کوشش کی۔ جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے
 کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کرو مگر چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے۔ مولوی غریب گل نے اُن کو واپس
 کر دیا اُس کے کچھ عرصہ کے بعد اول سے کچھ بڑھیا نمونے آئے اُس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور
 اُس سے ہر ایک کے لئے ایک پانچ ماہ ایک صدی ایک ملکن یا لانا کوٹ ہو دیا گیا۔ مگر آخر میں مولانا
 مرحوم کے لئے کپڑا کافی ہوا۔ کیونکہ درزی نے جو تھینڈ کر کے بنایا تھا وہ قطع کرنے کے بعد نا کافی معلوم
 ہوا۔ جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امر دے فراہم بالکل نال دیا اُس کے بعد آخر تک پھر نہ گریوٹکا
 نہ جاڑوں کا کپڑا بنا دیا گیا۔ البتہ جو کپڑے معمولی ملتے تھے اُن میں سے تویہ، پیروں کے بیٹا، کمرے،
 رومال، مونڈے، سلیم، ہم لیتے رہے۔ مگر کوٹ پہاڑوں وغیرہ مثل سابق ہم رکھتے رہے۔ مسٹر برن نے
 سڑی کی شکایت کی بنا پر جاڑوں کے لئے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرادی جس سے ہم اپنے کمرہ کو
 روزانہ گرم کر سکتے تھے اخیر میں وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لئے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا
 اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آکر مصافحہ کیا۔ اس وقت مولانا ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے اس کو
 پھر میرزا جتئی کتابیں لکھی ہوئی تھی اُن کو دیکھا اُن کے نام پوچھا رہا۔ اُن کے فنون سے بھی واقفیت حاصل

نقد کا بچا رسد
مقرر ہونا

کی اُسکے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤں گا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے لئے ایسا اور ایسا انتظام
 کروا دیا ہے اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا۔ فارسی اچھی جانتا تھا۔ کانوں میں اُسکے نقل نقابا میں نملی لگا کر
 یا زور سے سُنتا تھا۔ اگلے روز کماندار نے مولانا مرحوم کو معرفتدار کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برن نے آپ کے
 حق میں خاص طور سے ہکو فمائشیں کی ہیں اسلئے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ کے لئے اب نقد مقرر ہوا
 اور آپ کی خاص خاص رعایتیں کیجا ئیں گی۔ جب کبھی کوئی ضرورت ہو آپ ہکو اطلاع دیتے رہیں۔
 اسوقت سے ہماری برید بالکل بند ہو گئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء روز
 چہار شنبہ سے نقد ملنے لگا اسروز سے ہکو اپنے مصارفین بانی ہو گئی یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالہ
 کی گرانہی کے کوئی حیثیت نہیں کرتی تھی مگر پہلی سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی اسوقت
 ہمارے پاس تقریباً (موتے) پونڈ باقی تھے مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ
 میں سے کچھ نہچے اسکو صرف کدہ اور بنسبت پیند کے توسیع برتو۔ تمھاری حسن انتظامی میں اس میں نہیں سمجھتا
 کہ اس میں سے بچاؤ ہاں یہ ضرورتیں انتظام میں شمار کروں گا کہ اعلیٰ سرمایہ یعنی ۲۰ پونڈ تم محفوظ رکھو
 کہ آئندہ کسی ضرورت کے وقت میں کام آئے اس پر توسیع کے متعلق رفقار نے اسقدر پر پھیلانا چاہا
 کہ اس مقدار میں بھی پورا پھٹنا مشکل ہو گیا۔ ادھر ایک خبر ہندوستان لکھی گئی مگر اسی کے ساتھ غالباً
 وحید نے یا میں نے لکھ دیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت سی زیادہ مشکلات سے رہائی کی سبب بن گئی ہے
 مگر مالہ کی گرانہی سخت در سخت ہر ایک لاندہ اندوں ہم اور ایک مرنی پھر وہ کہہ کو اور اسی طرح دیگر اشار
 ہیں۔ اسکی بنا پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ نے غالباً گورنر یوپی کے پاس عرض بھیجی کہ جو
 مقدار مولانا کے لئے مقرر کی گئی ہے وہ مالہ کی گرانہی کی وجہ سے کافی نہیں ہر اسلئے یا تو تم خود اُنکے
 لئے کافی مقدار پہنچاؤ یا ہکو اجازت دو اور انتظام کر دو۔ ہم یہاں نقد روانہ کر دیں۔ وہاں سے جو آ
 آیا کہ تم فکر مت کرو ہم خود انتظام کریں گے۔ وہاں سے حکم مالہ میں زیادتی کا پہنچاؤ اس نے
 مولانا اور کاتب الحروف کو طلب کیا۔ اور مصارف کی قلت کی نسبت دریافت کیا۔ ہم نے جواب دیا کہ
 آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا روزانہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں کبھی
 اگر گرانہی کی وجہ سے بہت زیادہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں کبھی

یہاں ملتا نہیں بجائے اسکے زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا ہے اسکی بھی ایک بوتل (بوتل) (بوتل) میں آتی ہے جو کہ مکمل تمام ہلکود و دن کافی ہوتی ہے اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایسے دن میں خرچ ہوتی ہے شکر اور پونڈ ہے اسی طرح جملہ اشیاء کی حالت ہے اسنے اسوقت سے فی کس دو شلنگک یومیہ اور مولانا کے لئے چار شلنگک یومیہ کر کے (وضع ہو کہ شلنگک ۱۲ کا ہوتا ہے)۔

مسٹر برن کے جانے کے تقریباً ایک ہا یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے جنہیں حضرت مولانا عبدالرحیم صفار حوم، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، اور دیگر اعزہ اور ارحباب کے خطوط تھے سب بتائید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سکریٹری سن، گورنر یو پی جاتے ہیں ہم آپ کے خواہشمند ہیں کہ آپ ان کی پیش کردہ شرط کو قبول فرمائے بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں۔ ہرگز ان کے مطالبے کو رد فرمائیں۔ ہماری ہمدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے اس قسم کی باتیں اور یہی مضمون سب میں تھا۔ اسوقت حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حبشہ ارہ اجاپنے ایک فداکار کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لئے پیش کیا تھا جسکی وجہ سے مسٹر موصوف مالٹہ میں آئے ہیں اور ان خطوط کا بھی لائے ہیں مگر غالباً کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دینا مستحسن نہ تھا گیا۔ بلکہ وہاں پہنچنے پر بھیج دیا گیا۔

اسکے بعد بعض امور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں مثلاً ایک ماہ میں شکر بازار میں نہیں تھی اسلئے تمام سہارا کو سخت تکلیف ہو گئی تھی۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اسنے خاص طور سے انتظام کر دیا جسکی بنا پر یقینیت وقت پہلو شکر بجاتی تھی۔ اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لئے دوستوں کیوں میں جاتا تھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہو گئی۔ جسکو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

مولوی عزیز گل صاحب مختلف اوقات میں اعمالِ سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے انہوں نے زبانِ ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں اچھی خاصی تہہ کی بولنے لگے۔ اسکے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر بہت یاغوش نصیبی نے انہیں

مولوی عزیز گل صاحب کا
ہستغال

دستیگری نہ کی۔ ان کو حسب خواہش کوئی استاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلال بھی اس فن کے کمال سے مانع ہوئی۔ قرآن شریف کی طرف توجہ بہت کی مگر ضعیف حافظہ اور عدم تامل طبع سدا رہا ہوتا رہا۔ موصوف کو اسکا شوق بہت ہی یاد بھی جلد کر لیتے ہیں مگر بھول بھی جلد جاتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر غایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے۔ جو بے تکلفی ان پر تہ رہو وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آتی۔

اسنے ابتدا ہی سے اصغری زبانوں کی طرف توجہ کی اور اولاً فرانسیسی پھر جرمنی زبان کو وحید کا اشتغال سیکھا پھر جب دیکھا کہ پانزہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا۔ مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں اس سفر میں سنے مولانا سے پڑ میں مگر بد قسمتی سے نہایت بے اعتنائی اور کم محنتی سے پڑھا گیا۔

مجبوراً طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں مگر قسمی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی۔ مدینہ منورہ میں بڑی بڑی مشکوٰتوں سے سورہ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کی مگر سنبھال نہ سکا بھول بھول گیا۔ جب طائف پہنچا پھر اسکو دہرایا اور سورہ نساء، مائدہ، انفال، یاد کر لیں۔ مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا پھر بھول گیا۔ کثرت اشتغال نے مہلت ندی کہ آگے بڑھنا یا انہیں کی حفاظت کرتا۔ مالٹہ پہنچ کر پھر از سر نو شروع کیا۔ چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاول سے اوخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے۔ چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد دوڑھائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا اسلئے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔ اس رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سنا نا چاہیے چنانچہ ہر شب تراویح کے بعد (جو کہ الم تر کیف سے ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے) نوافل میں سنا کرتے تھے۔ رمضان شریف کے بعد پھر آگے یا درنا شروع کیا۔ مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات و الذر حرم کی خبر وحشت اثر اور جملہ کنبہ والوں کے رنجہ واقعات نے تشویش بہت پیدا کی۔ تاہم فضل و کرم خداوندی سے ماہ صفر تک پورا قرآن ختم ہو گیا اور پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان شریف میں مولانا مرحوم نے سن لیا۔ قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد ہمکو بھی ترکی زبان کی طرف

کاتب الحرم
کا اشتغال

توجہ ہوئی کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی آہستہ آہستہ کچھ ایسے شدید ہو گئی۔ مائیں داخل ہوئے کیونکہ
بلکاسیر ہونیکے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں۔ ترکی زبان سیکھنا، قرآن شریف حفظ کرنا، باطنی
اشغال میں ترقی کرنا۔ خدا کے فضل و کرم سے دو اول کی تو ایک درجہ تک حاصل ہو گئیں۔ اور تیسرا مقصد
باوجود صحبت شیخ کمال اور فراغ وقت اپنی بد نصیبی سے ناکام رہا۔

تیسرا تان قسمت اچھا سودا رہا کمال کہ خضر از آب حیراں تشنہ سے آرد سکندر را
مگر تاہم جملہ افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ اُمیدیں ہیں
کہ لا تقظوا من رحمۃ اللہ ارشاد قرآنی پر۔ اہل اللہ کی عنایت و توجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری
فرمایگی۔ اولیٰ قوم کا لیشقی جلیسہم۔ و اللہ الحمد والمآل +

حکیم صاحب موصوف نہایت سلیمین کی القریۃ مستقیم الاوقات تھے۔ انہوں نے علم حدیث
وغیرہ دیوبندیوں پر بھانپا۔ باقی کتابیں لاہور کانپور دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں۔ دیوبند
سے تکمیل کے بعد لکنؤ وغیرہ میں طب کی تکمیل کی۔ جلد سے ستار بندی دیوبند میں انکی دستار بندی
ہوئی۔ مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے۔ اُسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے معیت بھی ہوئے
تھے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ گھر پر جا کر زمینداری کے انتظامات اور طب میں مشغول رہا اُسی زمانہ
میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی مگر مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام کمانے لگے تھے۔ تقویٰ
طبیعت میں ابتداء ہی سے تھا اسلئے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال
تھا۔ فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی یہی
اُمور میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ مصلح لگی رہتی تھی نہایت محرز خاندان
کے نو نسل تھے۔ گورنراہمان آباد (ضلع فتح پور) ان کا آبائی وطن ہے۔ ان کے بعض احوال پہلے گذر
چکے ہیں۔ جب یہ نظر بند ہو گئے تو ان کو جودہ ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہئے بلکہ سلوک
طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہئے چنانچہ انہوں نے مولانا مرحوم سے اسکی درخواست کی مولانا نے
کوئی ذکر مناسب تسلیم فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پابندی سے جہاد و تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا شروع کیا
عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ

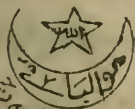
مولوی حکیم نصرت حسین
صاحب کا انتقال

ذوالجلال سے بندہ صابو ہے۔ ویشرا الحمد والمنه ۴

چونکہ مرحوم کا مرض منویہ تجویز کیا گیا تھا اور وہ امراض متعدیہ میں سے جو سلسلے لگانا ہمارے لئے
 مولانا مرحوم کو اور بکواسا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نقش تلو کو قرستان میں ملیگی لیکن تم فقط دوسرے سنا پڑ لینا
 تابوت کے پاس بھی مت جانا ہم نے اصرار کیا کہ ہکوشل دینا کفن پینا نامہ درجی ہمارے لئے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے
 کہ ان کے پاس ہی کوئی نہ جاوے ہم نے کہا کہ میکوشل رعیت کا حکم ہے غرض کہ اس بارہ میں مولانا مرحوم سے
 اور کم ندر سے بہت زیادہ رقوق ہوتی رہی جب اسے زیادہ رقوق کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ کی رقوق
 پر بھی راضی نہ ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نے نہلائیں گے مگر کفن تو پسندیں۔ بڑی بڑی مشکلوں سے وہ اسپر بھی
 جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپکو ہمارے مذہبی ضروریات پر ادنیٰ تو جہ نہیں تو
 بھڑکوں کیوں بلایا خود ہی جو چاہتے تھے کر دیا ہوتا۔ یہ کہا اور لوٹ جانیکے لئے آمادہ ہو گئے اس وقت اس
 نے اجازت دی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کرا دیں گے اور کفن بھی دیں گے اور یہ بھی
 معلوم ہوا تھا کہ شفا خانہ میں ان کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا۔ مولانا نے
 فرمایا کہ وہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریقہ سنوں پر ان کو نہلائیں۔

خلاصہ یہ کہ ان کے لئے مقبرہ میں جانیکے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی۔ کماندار نے اجازت دیدی۔ یہ سب ہاں گئے۔ ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں ہاں نہیں

ہو سکا تھا۔ اُن کو تیم کر کے کفنا پالیا اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غلین نماز
پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی اُن کی قبر کھودی ہوئی تیار تھی اُس میں اُن
کو رستے گئے اُن کے مصائب جو کچھ ہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے
پاس سے نہ ہی تھے مگر گاریوں کا کرایہ کر نیل شرف بیگ نے جو کہ کسی پونڈ
کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر چارہی اطلاع کے دیدیا۔ اُن کی قبر پر جو کہ مثل دیگر
قبور کے ختم ہے ایک پتھر حسب اُمی مولانا مرحوم لگا دیا گیا ہے جس پر ذیل کی عبارت
کندہ ہے۔ اس پتھر کو کر نیل شرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لکوا بھی تھا
کوئلہ اُسے ایک بڑی مقدار نفوذ کی خرچ کر کے بطور یادگار جہلا سرا مدفن میں کیلئے

[illegible]

الشيخ محمد بن عبد الله

سنة ١٢٠٠ هـ

الحمد لله الذي جعل في كل شيء
دلالة على قدرته وكرمه

المشقة الحسنة القليلة

بسم الله الرحمن الرحيم

والتسليم

بسم الله عليه
اسمعه وله

2

بچہ کندہ کرا ہے تھے اور بیچ میں ایک مربع ستون تھو کہ جسے سنگ مرمر پر چلائے تری اسرار کا نام کنہ تھا
 چونکہ ایام اسارت جنگ عمومی میں ہاں مد فون ہوئے کر نیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اس وقت چونکہ مکمل نہیں
 اسلئے اگر زندگی باقی رہی تو بچہ لکھوں گا۔ مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔
 چونکہ ضعیف العمر والدہ، جوان بیوی، دو نو عمر بچے اور دیگر رشتہ دار تھے۔ اسلئے طبعی غیبت ضرور تھی اور
 پھر ہاں سارت اور سفر میں کما حقہ خدمت نہیں ہو سکتی تھی۔ مالہ میں جو اسرار وفات پا جاتے تھے خصوصاً
 غیر مالک کے۔ ان کے سینہ کو چاک کر کے اندرونی اعضا کو دوا میں کھاجاتا تھا جس سے غالباً میت صحت پاتا
 کہ اگر حکومت مخالف دعویٰ یا شبہ کرے کہ میت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور دیگر وغیرہ کی کیفیت سے
 معلوم ہو سکے (واللہ اعلم) اسلئے ہم نے اولاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک کیا جائے اور
 اسپر مولوی عزیز گل صفائی نے بہت زور دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اسرار کا چھڑا جانا
 حکیم صاحب مرحوم کی وفات دو تین مہینہ کے بعد سے اسرار کا چھڑا جانا شروع ہو گیا۔ اول
 اول جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر سترین بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی تھوڑی مقدار
 میں لوگ چھوڑے جاتے تھے۔ تقریباً تین ماہ میں اکثر جھٹہ اسرار کا زائد کر دیا گیا۔ اس وقت سترین کو مختلف
 جگہوں اور کمپوں سے نقل کر کے دروازہ میں رکھا گیا۔ ترکی اور عثمانی اسرار اس وقت تک نہیں چھوڑے گئے
 تھے جو لوگ روڈ ٹکب یا وال فرسٹ یا سینٹ کلیمٹ براکس وغیرہ میں تھے سب کے سب ہاں جمع کر دیے
 گئے جو لوگ زمانہ التوائے جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے ان کو اس سارت گاہ سے بہت
 دور رکھ رکھا تھا۔ اور ان قدیمی سیروس ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ انہیں میں شیخ الاسلام خیری افندی
 اور احمد پاشا انوری پاشا کے والد ماجد اور دوست ترکی کے معزز اور اکابر عمدہ دار تھے اس وقت میں ان کو
 بھی نہیں جمع کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام خیری افندی کا کمرہ ہمارے کمرہ کے قریب تھا۔ اس مرتبہ ہکو در والہ
 میں دو کمرے دوستہ طبقہ پر نہایت مکلف ملے جس میں ایک حضرت مولانا مرحوم کیلئے خاص کر دیا گیا اور
 اس میں ایک طرف مولوی عزیز گل صفائی کی چار پائی تھی اور اُس میں پردے کے باہر مہانوں کے لیے سیر
 و کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور دوستہ کمرہ میں کھانے پکھانے کا جگہ سامان تھا اور اس میں میں اور چھوٹے
 کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا۔ ہمارے رفقا اہل حیدر اہم سے دراپر دور ہو گئے تھے۔ مگر اسی کمپ میں تھے

کچھ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اُن کی روانگی کا بھی وقت آگیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔
 اُس وقت سے پہلے اپنے کاروبار میں ذرا دقت کا سامنا ہو گیا۔ کیونکہ کوئی شخص کاروبار ضروریہ کا انجام دینا
 والا نہ رہ گیا تھا۔ مگر سبب اس سبب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا تھا۔ اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقی ماندہ ترک اور
 دوسرے اقوام بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کر گئے۔ جو لوگ کہ التوائے جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے
 وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے۔ در والد کا اکثر حصہ فروغ ہو گیا تو ہکو تقریباً ڈیڑھ ماہ رہنے کے بعد
 در والد سے بھی وال فرسٹہ میں منتقل کر دیا گیا۔ وال فرسٹہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے ہر کمرہ
 میں چار جھتے تھے۔ چوتھے جھتے میں نل اور غسل وغیرہ کا سببان تھا۔ ایک کمرہ ہم سبوں کے لئے
 کافی تھا۔ وہاں بھی لوگ مہتہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور تقریباً پانچ یا چھ ماہ سیریں
 کو سفر کرتے گزر گئے مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی۔ یہاں تک کہ پُرانے اسرار میں فقط دس بارہ آدمی
 باقی رہ گئے تھے جن میں سے پانچ یا چھ اسٹریٹ جرنیل تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اُن کے
 متعلقین مصر میں تھے۔ حکومت برطانیہ اُن کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی اور اسی طرح پانچ
 چھ ترکی افسیر تھے جو کہ اپنی قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے مل گئے تھے۔ وہ اپنے
 ملک میں واپس ہونا نہیں چاہتے تھے وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے۔

اسی وال فرسٹہ میں سعید سلیم پاشا سابق صدر اعظم ترکی اور اُن کے بھائی عباس حلیم پاشا
 سابق گورنر بدمصر کرنیل جلال بیگ جرنیل علی احسان پاشا جرنیل فخری پاشا شیخ الاسلام
 خیر الدین آفندی جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ترکی تھے جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی
 اور مولانا سے ملنے کے لئے یہ حضرات آیا کرتے تھے۔ آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لئے بھی وقت پہنچا
 قاعدہ تھا کہ جب کسی افسر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اُس کو آٹھ دس دن پہلے
 خبر دی جاتی تھی کہ وہ تیار ہے اور بدن جانا ہوتا تھا یکبارگی اُس کو حکم روانگی کا

اللہ سے روانگی

دیہا جاتا تھا جبکہ ایک مرتبہ حکم دیا گیا ہم تیار ہوئے مگر اٹھویں دن خبر ملی کہ اس گھوڑوں کی بیماری
 سے اسلئے دس گھوڑوں جانا ہو گا۔ تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ
 مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہو کر آگوت پر سوار

کرائے گئے۔ ہیکو سیکند کلاس کے کمرے دئے گئے اور چونکہ وہ ہماز جنگ کی مہمات کی خدمت کے لئے تھا اسلئے اسیں جہلہ کاروبار کرنے والے عموماً افغانی لوگ تھے جو کہ صوبہ فرانزکے تھے یہاں کھانے کا انتظام انہیں کے سپرد کر دیا گیا۔ چونکہ مولوی عزیز گل صاحب اس صوبے کے پیر ہیں ان سے ان لوگوں کی جبش تو جس بات حیرت ہوئی تو وہ ان کے شدید لاہو گئے۔ انہوں نے نہایت اخلاص سے کہنے پینے وغیرہ کا انتظام کیا۔ مگر اپنے افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی ان میں سے نہ ہمارا پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے فقط کھانا وقت پر پیش کر دیا کرے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں ان لوگوں کو خراب کر دیں۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۳۴ھ کو مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۱۶ء صبح کے قریب یہ آگوسٹ اسکوائر پہنچا۔ وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا مگر قریشیام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے ان کے ساتھ ہم روانہ ہوئے۔ وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کے ساتھ لیگئے اسباب کو فلیوں کے سپرد کر دیا اور ہم کو ٹریجوے میں سوار کر کے گوروں کے فوجی کیمپ میں لیگئے اور وہاں پر حرم سپاہیوں کے قید کا جو کچھ تھا اس میں ہیکو داخل کر دیا اور ہم پر اسی طرح سخت پہرہ کر دیا جیسا کہ ان لوگوں پر تھا۔ شام کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا انہوں نے ہیکو دیا اور ایک خیمہ میں جس میں نہ کدّا تھا نہ بچونا نہ چار پائی تھی نہ روشنی فقط کبیل دیکر بڑھ رہے تھے کوہ کیا۔ اسباب قریب عشا کے پہنچا۔ اسکو بھی انہوں نے اندر داخل نہونے دیا۔ دروازہ پر باہر ہی رہا۔ اس شب کو ہیکو سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ تھا گڈر اٹھا بیان کیا۔ اس نے بہت عذر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کر کے کہا کہ میں معافی کا خوشامگوار ہوں مجھکو بالکل اطلاع نہ تھی۔ اسی حال میں اس وقت اپنے بڑے آفس میں جا کر نفعت و شنید کر کے سیدی بشیر میں جو کہ خیمہ میں قرار گاہ اسرا تھا بھجوا دیا۔ ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوا یا مگر ہیکو بیدل بھجوا یا۔ جگہ نہایت دور تھی چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہو گئے۔ چونکہ عرصہ دراز سے قید میں تھے اسلئے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی اور پھر مولانا کو بھی مشکل تھی سپاہی بندوق لئے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آخر کار ہم ۲۶ جمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہنچے۔ ہیکو اسی وقت قرار گاہ کے اس کیمپ میں داخل کر دیا گیا جس میں قرنطین نے ایسروں کا ہوا کرتا تھا اسیں تین خیمے نصب کر دئے گئے اور چار پائیا گڈے وغیرہ جمائے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ داخل ہوتے وقت سب کی تنہائی لیگئی۔ مولوی عزیز گل صاحب

غفلت کی حالت میں آئے تھے ان کے پاس (۲۷) پونڈ تھے ان کو لیلیا گیا۔ اور سید دیدی گئی۔
 سیدی بشر میں اس وقت ترکی اسرار کی بہت بڑی مقدار موجود تھی۔ غالباً آٹھ نوکپ میں اسرار
 وہاں موجود تھے۔ یہ سب کمپانیوں کے لئے تھے اور ہر کمپ میں خدمت کے لئے ترکی سپاہی تھے
 ہر کھانے کا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا جو کہ ہندوستانی یا ولایتی تھے کیونکہ وہاں پر پردہ
 وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا کہ خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے۔ گوشت بہت
 کم ہوتا تھا۔ جو ترکی افیروں اور دیگر کمپوں میں موجود تھے۔ وہ ہم پر نہایت نہایت شفقت کرتے تھے۔
 اور بہت زیادہ محنت اور لطف سے پیش آتے تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ گنتی کے بعد حسبِ حادث جیسے کہ
 دوسرے کمپ کھلتے ہیں اور لوگ اسپیں ملتے ہیں ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائیگا۔ مگر ہمارے لئے بالکل
 اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسرار سے دور سے باتوں کی بھی اجازت
 نہ تھی۔ پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جبکہ ایامِ قرظینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی
 نہ ہوئی۔ جو انگریز اسرار کو بنا کر اٹھا اس سے کہا گیا بلکہ ترکی افیروں نے خود درخواست کی تو اس نے
 کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو تمھارا اسپیں اجتماع خلافِ قانون ہے اخیر حکم اسپیں نزل کے
 مگر چونکہ راستہ بعض بعض کمپوں میں سے تھا اسلئے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ
 لوگ ہمارے پاس اکثر ہر ایک اور غیرہ بھیجتے تھے۔ ہمارے اہل بھی کرتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ کھانے کی حالت پر
 انہوں نے کہا کہ تم کمانڈر سے کہو کہ خشتہ سے تمھاری ہمارے باورچیانہ میں دیدیا کرے۔ ہمارے یہاں
 کھانا پکا ہوا تمھارے واسطے آیا کرے گا چنانچہ یہی انتظام کیا گیا۔

تقریباً آٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۸ء مطابق ۲ اپریل ۱۹۳۸ء
 کو وہاں سے روانگی ہوئی۔ اور اسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم سٹیشن پہنچائے گئے
 فٹ کلاس میں سفر کے شام کے قریب سوئس پہنچے ہر کو خیال تھا کہ آگوت وہاں
 تیار ملیگا مگر قسمتی سے پھر کمپ اسرار میں قید کئے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسرا نگاہ تھی جس میں بہت سے
 ترکی افیروں سپاہی ہی تھے۔ پھر ہندوستانی سپاہیوں کا تھا۔ ہر کو مغرب کے بعد وہاں داخل کر دیا
 گیا اور دو خیمے دئے گئے جن میں رہنا شروع کیا۔ یہاں پر ہر کو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا۔ وہ بیچارے

سیدی بشر سے
 سویر کو روانگی

عراق سے پکڑے گئے تھے اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر سوزلائے گئے تھے جو کہ دو تین تین ماہ سے وہاں بڑے ہوئے تھے ان لوگوں کو ملکہ نہایت دلچسپی رہتی تھی۔ نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے مگر عموماً افسر نہایت تلکدستی کی حالت میں تھے کیونکہ ان کی نہ تو تنخواہیں ملتی تھیں نہ ان کو اگے پروانہ کیا جاتا تھا۔ فقط کھانے کا انتظام تھا۔ ہلکوبھی یہی وقت پیش آئی۔ چونکہ وہاں بھی جہیز نہایت کم آتی تھیں دھرم سے جو بوڈا اسکندریہ میں بیٹے گئے تھے ان کے بدلے ہکونوٹ دئے گئے ساورن نہیں۔ د نے اصرار بھی کیا مگر ایکٹ مٹنی گئی۔ ساورن وہاں پندرہ روپیہ زادہ کو بھی مگر نوٹ ایک ساورن کاغذ کو چلتا تھا۔ سیدی بشر میں اور یہاں سوئس میں یہی مقدار کام آئی۔ یہاں آگہوت کے انتظار میں ہلکوبت زمانہ گزارنا پڑا تقریباً پونے دو مہینے گزر جانے کے بعد آگہوت کی آمد ہوئی۔

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۱۲ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء التوار کے دن دس بجے صبح سوئس سے روانہ ہوئے۔ کمپتے روانہ ہو کر آگہوت پر پہنچے فٹ کلاس کمرہ ہلکودیا گیا اور کمرہ میں سہاٹی غیر جمادیا گیا افسر و شام کو آگہوت روانہ ہو گیا۔ ۱۲ رمضان المبارک کو التوار ہی کے دن آگہوت عدن پہنچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچا ہوا۔ میں (کاتب الحروف) اور مولوی عزیز گل صاحب اکثر اسباب لیکر کنارہ پہنچے اور ہوٹری کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور وحید کے لینے کے لئے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہو گئی دریا میں طوفان آگیا جسکی وجہ سے افسر و حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور وحید نہ آ سکے۔ اگلے دن بمبئی تمام مولانا کو اُتار گیا۔ بمبئی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہم بالکل آزاد ہیں کسی قسم کی دلوک ہلکونہیں۔ بمبئی میں آگہوت پہنچنے پر سب سے اول سی آئی ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے جنہیں بہادر الدین صاحب بھی تھے آئے۔ اس نگر نے مولانا سے کہا کہ تم کپڑے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہو مولانا کمرہ میں چلے گئے۔ اس نے کہا کہ مولوی رحیم بخش صاحب یہاں سے آئے ہیں آپ غیر ان کے ملے ہوئے ہرگز ہمارے نہ آئیں۔ یہ کمرہ چلا گیا۔ ہم نے عرصہ تک انتظار کیا۔ آخر کار ہم سب سب لیکر آئے۔ اس کے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے۔ مولانا سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ موصوف کو نمٹنے کی خاطر مولانا پراثر دلنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہنچنے کے بعد سیاسی بات میں دلچسپی نہ لیں۔ مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے ان کی غلطی کو نمٹنا اور خلقت پر ظاہر

نظر ہو چکی تھی۔ ادھر مولوی صاحب موصوف قلمب قلمب یافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے۔ مولانا کی شدت
عزم اور استقلال۔ واقف تھے اس لئے وہ کوئی قوی تر نہ ڈال سکے انہوں نے دیکھے الفاظ استعمال کئے
اور جلسوں کی شرکت وغیرہ نفرت ضرور دلائی۔ جلسوں میں جو بے عنایاں ہوتی تھیں ان کا بھی تذکرہ
فرمایا اور سپر زور دیا کہ مولانا اترنے سے ساتھ ہی ریل پر سوار ہو کر دیوبند کو روانہ ہو جاویں۔ بمبئی میں خلا
والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکتا نہیں
چاہتا۔ مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ مباد آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو سپرد
نہ ہو جائے۔ مگر وہاں تو بقول شخصہ یہ وہ نشے نہیں جنہیں شرابی اُتار دے۔ آج کا قلبی اتفاق
یہی تھا درمضانات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرتبہ اچھا ہو کر قہمد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان
میں سی تحریک اشاعت کیلئے دورہ کر دوں گا۔ آخر کار ایک بھی نہ سنی خلافت کمیٹی نے ہستقبال کیا انہیں
مکان میں قیام فرمایا انہیں کے یہاں دعوتیں ہوئیں ایڈریس پیش کیا گیا ۲۲ اور ۲۳ رمضان کو قیام نماز
جمعات کی شام کو ۲۴ رمضان کی شب میں انیس پرپس پر روانہ ہو کر ۲۵ رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن
دھلی پہنچے۔ ڈاکٹر انصاری جتنا کہ کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں روانہ ہو کر ۲۶ رمضان
المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیوبند پہنچے۔ راستہ میں اہل میرٹھ نے ایڈریس پیش کیا میرٹھ شہر میرٹھ چھاپی
منظر نگار، وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا اور دیوبند میں بھی استقبال کرنے والوں کا جم غفیر تھا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمت
دامتہ و امدنا بامدادہ ولا یحرمنا عن برکاتہ فی الدنیا والاخرہ۔ آمین یا رب العالمین۔

عرضحال

چونکہ میں سو فقت تک جیل گراچی میں حوالات میں تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ جمع الاول
مقدمہ ششمن سے تفصیل ہو جائیگا۔ اور ہر کو سترائے قید کا حکم قلم داوات کا غد وغیرہ سے
محرور کر دیا گیا اسلئے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا بعض بعض باتیں چھوڑ دیں
میں ناظرین سے مافی کا خوشگزاروں اور امیدوار ہوں کہ جو کچھ مجھے علییاں واقع ہوئی ہوں ان سے چشمہ کوئی
فرطت ہوئے میری منفرد اور حسن غایت کی دعا فرمائیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ
والسلام علی اشرف المخلوق سیدنا و مولانا محمد اللہ و صحبہ اجمعین۔

البلد اعجاز العاصی حسین احمد غفرلہ فیض آبادی ثم المدنی۔ فی ہذی الجذۃ اولیٰ جمیع الاول ۱۳۳۷ھ

سمت

کرنیل شرف بیگ کے مفصل حالات

کرنیل شرف بیگ

کرنیل شرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربراہ اور وہ لوگوں میں آدھوکار صاحبِ وقت و التائیت شخص تھا۔ ہمارے مالہ میں پہونچنے کے تقریباً دو ماہ بعد وہ مالہ پہونچا اور اتفاق سے جس کمرہ میں (بیگباشی) میجر حسن عزت بیگ رہتا تھا اسی میں قیام پذیر ہوا۔ ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوزباشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لئے جاتے وقت ہوئی تھی۔ کیونکہ ایک ہی موٹر میں جانا ہوا تھا اسیں وہ اور ایک اُنکار فیت نوری افندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے۔ جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجتمع ہوئے اسوقت نوری افندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور شرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا تعارف کرایا تھا۔ پھر علی بیگ مرحوم کے پاس قید خانہ میں پہونچکر اور بھی زیادہ تعارف ہوا۔ اُس وقت مولانا مرحوم کو اس سے اور اُنکو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا۔ اور اخیر تک نہایت گہرا تعلق رہا۔ کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربراہ اور وہ لوگوں میں نہایت دیندار شخص تھے۔ اُسکے اس ملک پر تسلط کر لینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں ہجرت کر کے مختلف ترکی ممالک میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہونچے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے ان کے حال پر نظر عنایت کی اور خاص توجہ سے اُن کو اور اُن کے جملہ متعلقین کو باریاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ پر نہ کا اُن کو داروغہ بنادیا جسکو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشنبہ الطیور کے لفظ سے اس زمانہ میں یاد کیا جاتا ہے۔ شرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی اپنے بچوں کے ساتھ جملہ اس

انکی تربیت فرمائی قرآن شریف حفظ کرایا اور حبیبہؓ ان شریف تمام ہوا تو اُس روز خاص جشن کیا عائد
اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی اور اسناد کو خلعتیں دیں۔ لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اور بڑے ہونیکے بعد
مکاتیب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا ۔

اشرف بیگ کی اخلاقی
حالت

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست، قوی، جنگجو، بہادر عموماً ہوتے ہیں اور
اُن میں سے یہ خاندان نہایت سربرآوردہ تھا اسلئے فطرتی طور پر اشرف بیگ
نہایت مستقل مزاج، نہایت صابر، جفاکش، بہادر، ابتدائے عمر سے واقع ہوا
تھا۔ اُسکی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں جنکو اُس نے خود اپنی
سوانح عمری میں دکھلایا ہے۔ ہم اُن کی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے توجہ دلانا نہیں چاہتے وہ اگرچہ
سلطان عبدالحمید مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں درد و الادل رکھتا تھا اپنے سر میں حقیقت نگاہ
دلبر رکھتا تھا اُس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قوت پر زیادہ رہتی تھی۔ اُس نے لڑا لیکن کے زمانہ سے
سلطان عبدالحمید خان مرحوم کے اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کر لی تھی وہ خود بارہا مجلس
میں آکر دیکھتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے ہیں مجھ سے
زیادہ کوئی اُسکے احوال سے واقف نہیں میری طبیعت کی وجہ سے بارہا جنگو سلطان مرحوم نے عکس اس
اچھے ہاتھ سے مارا بھی ہو۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین، عابد و زاہد تھا۔ عبادات اور شرعی نہایت
کی رعایت میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا۔ فقط اُسکے ارد گرد ایسے خود غرض لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے
اسکو عام قوم کی طرف سے بدظن کر دیا تھا اُسکے دل میں اپنی جان کا خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ لوگ اپنے
شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو قربان کرتے رہتے تھے۔ مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم
کی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ نہایت زیرک اور عقلمند تھا۔ اُسکو تجربے بھی حکومت
کرتے کرتے بہت حاصل ہو گئے تھے۔ خود اشرف بیگ کو جلاوطن کر کے اڈریانو پل میں تقریباً دہرے رکھا
اُسکے بعد معافی ہوئی۔ پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظر بند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے عربی کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ مدینہ منورہ کی نظر
کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہو چلی تھی بعد جب پھر عثمان پاشا والی مدینہ نے اسکو پکڑنا چاہا تو وہ

بھاگ گیا۔ اور بدوؤں سے ملکر انہیں میں بدو باشل اختیار کر لی۔ چونکہ فنون جنگ کے پورا واقف تھا طبیعت نہایت جری واقع ہوئی تھی۔ اسلئے اُس نے اُن کے ساتھ ملکر لوٹ مار شروع کر دی خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال و سبابک اُسُن لیتا تھا تو اُسکو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھ لوٹ مائیں حاصل کرتا تھا وہ سب بدوؤں کو کھلا دیتا اسلئے اسنے اپنی حسن تدبیر اور واقفیت سے تھوڑی سی مدت میں حجاز، یمن، نھامہ، نجد، عراق، عینزو، وغیرہ کے قبائل اور مشائخ سے واقفیت پیدا کر لی اور اُن کو اپنا خلیف بنالیا جو لوگ مخالفت کرتے اُنپر غارت ڈالتا اور فنون حرب اور جنگی حسن تدبیر کی بنا پر غالب آتا اسلئے بہت جلد اُسکا ریکہ تمام سرزمین عرب پر جم گیا۔ عثمان پاشا وغیرہ نے بہت کوششیں کیں، مشرق اور مشائخ قبائل کے واسطے سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا۔ کچھ عرصہ کی مقدار تقریباً ڈیڑھ دو برس ہوتی ہر حجاز میں قبائل عربان میں مقیم رہا۔ نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی اُسکا پورا سوخ ہوا۔ فنون سپہگری، قوت جسمی، قلبی بہادری کی بنا پر امیر نے اسکی بہت زیادہ خاطر داری کی اور شادی کرنے کی خواہش کی مگر یہ راضی نہ ہوا۔ امیر سے اُسکے وکلاء کے نام پروانہ رانداری نیکر بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اُسوقت اُسکی صورت و شکل بالکل نجدی عربوں کی تھی۔ ہندوستان میں عرصہ تک پھرتا رہا۔ چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقت کو اُسنے اتنا محفوظ کر رکھا ہے۔ اُسکے بعد یہاں سے چین میں گیا۔ اور پھر چین سے تجارت، روس وغیرہ ہوتا ہوا اُسکی مالکیں پہنچا۔ اسی طرح ایک تہہ اُسکو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑا ہے اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ، مقدونیہ، سرائکیا، (تھرس) بلغاریہ، سربوہ، اناطولیہ، سمرنا، سورہ، مصر، وغیرہ میں تو بار بار پیدل پہاڑوں اور جنگلوں میں عمر گزارنی پڑی ہے جسبیں وہ اکثر روبروش رہکر پھرتا تھا۔ اسکو عربی، ترکی، فرانسیسی زبانیں بھی آتی ہیں۔ زمانہ انقلاب ترکی میں اُسکا پاشا اور اُسکی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور شور سے ہوئے تھی اور اناطولیہ کی سرزمین میں زور و شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی۔ یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا ہے مگر اپنے عزم پر نہایت قائم اور استوار رہنے والا شخص ہے۔ اوز پاشا کا واقع میں نہایت قوی بازو ہے۔ عموماً مخفی حرکات فوجی اسکے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں۔ اسنے زمانہ انقلاب میں اور اُسکے بعد جنگ طرابلس، جنگ بلقان، جنگ عمومی، میں نہایت بڑے اور پُر زور کارنامے

کئے ہیں۔ جبکہ سرفروشی کا موخہ بیکار تاتھا پہنچ جاتا تھا۔ انقلاب ہونے کے بعد ہی اسے فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ صالحی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کر کسٹراعت میں مشغول ہو گیا۔ مگر باطنی تعلقات رؤسا جمعیت اتحاد و الترقی سے رہا۔ اُس نے بارہا کہا کہ میں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ میں کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے جماعت استلاف والحریت اور جماعت اتحاد و الترقی دونوں میں شامل ہو کر تحقیقات کی اور ہر فرقہ کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا۔ مجھ کو تحقیق ہو گیا کہ جماعت استلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں۔

ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت

جب تک کہ ترکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی تھی اسوقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کے پیروی کرنا سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کر رہے تھے۔ آپس میں اتفاق تھا

اور ایک دوسرے پر جان نثاری کرتا ہوا نیم جمہوریت کا خواہشمند تھا (نیم جمہوریت مراد یہ ہے کہ خاندان شاہی کو بالکل لغو نہ کیا جائے۔ بلکہ اُس کو ہر سہ اقتدار قائم رکھا جائے۔ مگر اُس کا استقلال محض اور اُس کی شخصیت مطلقہ سلب کر لی جائے۔ اُس کے احکام بشورہ جماعت خاصہ جسکو ترکی میں مجلس اعیان کہتے ہیں جاری ہوں۔ مجلس اعیان بمنزلہ دارالخو اس (لارڈ کا منشا انگلستان) کے ہے جمہوریت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑ گیا اور دو جماعتیں قائم ہو گئیں۔ ایک جماعت استلاف والحریت اور دوسری جماعت اتحاد و الترقی۔ دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے جماعت اتحاد و الترقی کا مقصد اعلیٰ تمام مسلمانان عالم میں اتحاد قائم کر کے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شکست دینا مشرق کو اُن کے پنجہ ہائے ستم سے بچانا ہے۔ وہ عدالت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حسب حیثیت وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں مگر حسب نظام وہ مساوات کو خواہش کرتے ہیں۔ مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے۔ اسٹیک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سربراہ اردو اکثر ممبر یورپ کی زہر پتی بددینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں اپنے آپ کو متصور کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مظلم ہو گئے ہیں یورپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں

سے ان کے عقائد کی زندگی، عملی لائف پر نہایت بدنامگرتاریک شردا لاس ہے۔ تاہم جمعیت اتحاد و ترقی میں مذہب کے پابند اور اسکا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اسکے ان کا دلین پروگرام مسلمانان عالم کو متحرک کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک ششہ میں جوڑ لینا ہر بخلاف جمعیت استلاف والحریتہ کے ان لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی دروہی نہیں۔ ان کا پروگرام یہ ہے کہ بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی ہیوی مسلم امنی وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے اسیں عیسائی اور امنی کے وہی حقوق ہیں جو کہ ایک مسلمان کے ہیں۔ بڑے سے چھوٹے عددوں تک بلا امتیاز ہر شخص اور ہر ملت کو ملنے چاہئیں۔ ان کو بیرون احاطہ ممالک عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ انکو یورپ سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ انکی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ وابستہ ہے ان میں ایسی جرأت اور بہادری بھی نہیں۔ راحت طلبی شخصی و جاہست اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ ہیں۔ ابتدائی جنگ طرابلس بلقان میں کابل پاشا اور اسکا تمام کابینہ جمعیت استلاف والحریتہ کا تھا دوسری جمعیت والے گسے ہوئے تھے۔ استلافی جماعت کی سورا انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کر کے اسپر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ جب استلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہو سکا تو اتحادی جماعت کے سربراہ اور دہ لوگ شہید نیاز می بیگ، عوم، الوبیگ، شرف بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ کر کوئی خوشی سے اور کوئی آگہوئوں میں خلاعی بنکر، کوئی بادیانی کشتیوں وغیرہ میں سیدلن میں پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوہی سے اتحاد کر کے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکے چھوٹ گئے طویل زمانہ تک گوشش کرنے پر بھی سوا ان مقامات کے جنگی حفاظت بحری ڈریڈناٹ کرتے تھے دوسرے دور کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہو سکی۔ نہایت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور مقصد اصلی حاصل نہ ہوا۔ اس بدست میں اس تمام سرزمین کے عرب قوا عہد جنگ سے بخوبی واقف ہو گئے۔

الوز پاشا نے ان میں ہلارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیم گاہیں قائم کر دیں جنگی بنا بران میں اچھے اور مستعد لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنکو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے گماندار کی نہیں رہ گئی مگر قسمتی سے اسی زمانہ میں جنگ بلقان چھڑ گئی اور اس میں کچھ فحشابی کے کامل پاشا اور اس کے کابینہ کی سورا انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جسکی وجہ خود دار اختلاف زدیں آگئی اور

بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا۔ ان اتحادی سرفروشنوں کو خیال تھا کہ ترکی فوجیں اور سامان جنگ کافی موجود ہے اسلئے یہ چھوٹی حکومتیں یونان، سربیا، بلغاریہ، مانیٹا، مگروسیا ہوں گی کچھ فکر کی بات نہیں مگر بات اٹلی ہوئی۔ ناظم پاشا کمانڈر جنگ کی آرام طلبی اور فوجوں کی بد نظمی نے وہ دن دکھایا جو ترکی کو تمام ایام حکومت میں نہ دیکھنا پڑا تھا۔ آخر کار یہ سب سب بر آوردہ افسر وہاں سے کچھ کچھ بچا ہوا نظام کر کے بھاگے مگر ادھر مصر میں ان پروری نگرانی تھی۔ آخر کار انور پاشا جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آگبوٹ میں اسکندریہ سوار ہوا کہ قسطنطنیہ پہنچا۔ برٹش کوانٹلی خبر وہاں اترنے کے بعد ہوئی۔ ہشرف بیگ خشکی کے رستہ سے صحرائے نیرہ قطع کر کے وہاں پہنچا۔ غرض کہ اسی طرح سب رستہ آہستہ آہستہ پہنچ گئے۔

ہشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور تخصیص کے زمانہ میں عرصہ ناکام کیا تھا اسلئے اس نے ہر شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی اس کی بہادری اور انسانیت، مروت، دریا دلی، نے ہر جگہ شیعہ کام کر رکھا تھا اس نے اپنی پارٹی میں ایسے

ہشرف بیگ کی فوج
اور انڈیا ناپل

ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو کہ پورے جان نثار اور جفاکش ہوں۔ علاوہ اسکے جو مہاجرین سرکش مالک عثمانیہ میں موجود تھے ان کا بہت بڑا حصہ اس سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سرعت کے ساتھ استنبول پہنچا۔ ادھر انور پاشا نے استلافیوں کی وزارت ساقط کر کے اتحادی وزارت قائم کر دی تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا اس نے ہشرف بیگ کو اور دوسرے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور و شور سے حملے کریں۔ بلغاریہ جو کہ تھاکو پر پہنچ چکے تھے ان سرفروشنوں نے ایسی زور و شور کی ماردی کہ انکو پسپا ہونا پڑا۔ اور نہایت سرعت کے ساتھ ان کا تعاقب شروع ہوا۔ خود ہشرف بیگ اگلی فوج کا کمانڈر تھا۔ انور پاشا جلد فوجوں کی خبر گیری کر رہا تھا۔ ہشرف بیگ نے کئی دن کی لڑائی کی وجہ درمیان میں راحت لینا چاہا۔ مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی۔ انور پاشا بخار کی حالت میں تھا مگر اسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ ہشرف بیگ مع اپنی فوج کے آگے بڑھتا رہا۔ جس زمانہ میں ہشرف بیگ انڈیا ناپل میں نظر بند تھا اس زمانہ میں اسکودا ہاں کے اطراف و جوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ وہاں کے خفیہ اور غلام ہستوں اور گھائیٹوں کی پوری طرح واقف ہو گیا تھا۔ اور چونکہ فوجی آدمی تھا ادھر اسکو ہمیشہ

خفیہ حرکات کا سامنا رہتا تھا اسلئے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا ہر مقام کو فوجی نقطہ نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ اڈریانوئل میں بلغاری قوت موجود تھی اور اگر کچھ یر وہاں پہنچنے میں ہو جاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی۔ اور وہ شہر کی حفاظت کا بورا اور کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر نقاب ہو رہا تھا اسلئے پورا اجتماع نہ ہو سکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی ہو سکی فقط اُن راستوں پر جو کہ عام تھے انہوں نے انتظام کیا تھا۔ ہشرف بیگ نہایت مستعدت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہو گیا۔ جسکی وجہ بہت جلد شہر پر قبضہ ہو گیا اور زیادہ تلفیات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اُسکے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانداروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں۔ اور پہلے در پہلے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس، برٹش ملکہ ٹرکی کے سامنے آگئیں۔ زار نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اگر حدود اڈریانوئل سے تم لوگ گے بڑھے تو میں اعلان جنگ دیدوں گا۔ ٹرکی کی حکومت کو اسوقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار ہو جاتا۔ لاپچار ہو کر شکوہ رکنا پڑا۔ مگر اشرف بیگ نے اعلان نافرمانی کر دیا۔ وہ اور اُسکے بھائی دیکھہ نے ریاستہائے متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی اور فتحیاب ہوتا رہا۔ ٹرکی نے اپنی نظامی فوج ہٹالی۔ ہشرف بیگ نے اُس مدت میں تقریباً چار ہزار گھرانوں کو جو کہ بلغاریوں کے مظالم اور شہداء کی وجہ مرتد بنا لئے گئے تھے پھر سلمان کیا۔ مفتوحہ زمین میں امن قائم کیا۔ اسکے اور ملکٹ بھی امرکا علیحدہ جاری کیا۔ اور تقریباً چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد تک ایک علیحدہ ریاست ہاں جمی رہی۔ اُسکے پاس ہر طرف سے غیر متدہس اور سب اہی خفیہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دول یورپ نے ٹرکی کو مجبو کیا کہ ہشرف بیگ کو جس طرح ہو وہاں بٹایا جاوے۔ چنانچہ بہت زیادہ مجبور کر کے بعض بعض مفید سلام شدہ اٹل بلغاریہ کے کہ جملہ غنائم جو کہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آتے تھے جنکو بلغاریوں سے اُس نے چھینا تھا اور نقد وغیرہ ساتھ لیکر واپس آ گیا اُن غنائم میں سے اکثر کو اُن مہاجرین پر تقسیم کر دیا جو کہ بلقانی زمینوں سے ہجرت کر کے ٹرکی ممالک میں آ گئے تھے۔

اشرف بیگ ٹرکی میں غیر منظم فوج اور مجاہدین کا کماندار تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی

ہو چکا تھا۔ اسکی خفیہ کام کرنے والی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی۔ ضروری کاموں کو بطور حال الغیب پورا کرتی رہتی تھی۔ جیسے حکومت ٹرکی قانوناً کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی۔ تب اعلان ٹرکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اس کا بھائی سامی بیگ کا شجر گوہندوستان کے راستہ سے پیچھے گئے تھے ان کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے۔ مگر جب جہاز بمبئی میں تاجرانہ طریق پر پہونچا تو انگریزوں نے انکوٹ کو گرفتار کر لیا۔ اشرف بیگ خفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں کے جدہ وغیرہ پہنچا۔ اسکا بھائی سامی بیگ گرفتار ہو گیا اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بیجا گیا وہاں رہتے ہیں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے نفوذ ضروری حاصل کر کے مشاور اور وہاں سے کام شجر ہو چکا۔ بعض دستہ افسر بھی روپوش ہو کر پھرتے پھرتے اسطرح پہونچ گئے۔ سامی بیگ کا شجر میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قائم کرادی۔ چنانچہ باغسل وہاں اسلامی حکومت ہے۔ سامی بیگ کی خبریں لائیں آئی کرتی تھیں۔ سامی بیگ اشرف بیگ سے چھوٹا ہے اسقدر توانا اور قوی نہیں مگر استقلال اور صبر و تحمل بیدار کرتا ہے۔ غیرت ملی اور ہمدردی مذہبی انسانیت مروت بیدار کرتا ہے۔ اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر وہ علیم ہے جنگی جفا کشی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ ذہن نہایت تیز اور دل بہت صائب رکھتا ہے۔

ایم ٹنگ نہیں کہ انور پاشا کی پارٹی میں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش ہمدرد ہشام اشخاص تھے اور ہیں جنکی نظیر اسوقت دوسری قوموں میں موجود نہیں اگر جنگ بلقان کے بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گزر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت اتحاد و الترقی کی اسقدر قوت ہم پہنچا لیتی کہ بڑی سے بڑی قوت مغربی اسکا سامنا نہ کر سکتی مگر بد قسمتی سے سنبھلے بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا۔ پھر بھی ہمیں وہ وہ جفاکشیاں اور انتظامات کئے جنکی نظیریں گذشتہ ایام میں ٹرکی کے لئے نہیں پائی جاتیں۔ ابتداء سے جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھ فوج میدان جنگ کے لئے زیر ہتھیار نکالی۔ اسقدر فوج کبھی ٹرکی میدان جنگ میں نہیں لایا۔ پھر ان کے لئے ہر میدان میں جہاز اقسام کی ضروریات کو مہیا کیا۔ ان کے خود سپاہیوں اور افسروں سے سنا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہیوں سے علاوہ عمدہ غوراب کے سنگترے، انگور، سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے

جاتے تھے۔ پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی۔ تقریباً بارہ یا تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔ میدان عراق۔ میدان عدن۔ میدان حجاز۔ میدان سویز۔ ڈرہ دانیال۔ سالونیکا۔ ارض روم۔ طرابزون۔ غالیچیا۔ (مالکبٹریا میں) رومانیہ۔ حدود ایتالیہ۔ حدود روس۔ بجانب اتر حدود ایران بجانب وان و کرکوک۔ ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خط میں جنگ قائم رہی حالانکہ لابت سرد سرائی کی نہایت دقت تھی۔ ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار و سار و دیگر لوہے پون قوموں کی تشددات و مظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے۔ جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان جذب مردوں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی کسی ایک تو سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے بیکار تھی پھر یہی نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہوا اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے۔ آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہنچایا ہے اور جو جو مظالم انہوں نے کئے ہیں وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برابر کرنے کے لئے کافی تھے انہوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ گہروں کو چلا دیا۔ ہر قسم کے سامان جنگ ڈائنائیٹ کے ٹوٹے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس و فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات خفیہ خفیہ مع کر کے پہنچا چنانچہ تفتیش پر تہ خانے کے تہ خانے بہرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جنکا انہوں نے استعمال کیا تھا وہ علیحدہ رہے +

انہوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا۔ ان روم کی طرف سے اُنکو اعانت پہنچا ہی رہے تھے۔ پھر اس پر بھی اگر ان کے ساتھ کوئی معاملہ ٹرکی نے کیا ہو تو تمام یورپ ٹرکی کو خطا دار اور سفاک ظالم ٹھہراتا ہے اگر ان کے مظالم کی یہ تفصیل لکھوں تو بڑے دفتر کی ضرورت پڑے۔ نہ میرے پاس اسکی کافی وسعت ہے اور نہ ہی میں اسکو بخوف ضبط کتاب لکھ سکتا ہوں۔ مگر دو ایک باتیں ضروری طور سے جسکو میں نے خود متعدد لوگوں سے سنا ہے عرض کرتا ہوں :-

ابتداءً اعلان جنگ میں جبکہ ترکی نے لشکر جمع کرنے شروع کئے تو جو لوگ لشکر میں بہرتے ہوئے صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے مالک میں بھاگ گئے عورتیں بچے اور سینائیس برس سے زائد عرصہ اے ظاہری طور پر باقی رہ گئے مگر انہوں نے سر دہی اور برفباری

کے زمانوں میں رستہ دالے گاؤں وغیرہ میں بلان لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں میں شب کو آرام کیواسطے
دعوت دی۔ بچارے عساکر یا پولیس کے جوان یا منتظم فوجی جماعت جو کہ رسد لکڑی اور دیگر ضروریات کے
واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے۔ وہ جب مکان میں پہنچے اور سو گئے یا کم عدد پر پہنچے تو ان کو قتل کر ڈالا کبھی
مکان میں آگ لگا دی کبھی ڈانٹا میسٹ سے اور دیا۔ اسی طرح قبل از طور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انہوں
نے قتل کر ڈالا جس کا پتہ کچھ حصہ کے بعد ہی منظر سے چلا۔ اسی سیالی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار
چار سر جمع کرتا تھا اور اُسکو پانی میں جوش دیکر اُس پانی سے نہاتا تھا اور اُسکو باعث نجات آخرت سمجھاتا تھا
وان میں امینی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے سخت قتل عام مسلمانوں کا کیا ان کی عورتوں کی عصمت
اور مال وغیرہ کی خزانگاہی نہایت بے درمی کے ساتھ کی کیونکہ وان کی حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ مجاز جنگ
اول سے تھا انہوں نے رستہ تباہ کر دی فوجوں کو داخل کر دیا تھا۔ مفتی وان کی ودشیزہ لڑکی کو ساتھ ستر
ازمنی اوٹھا کر پہاڑوں میں لینگے اور اُسکو زنا کرتے کرتے مار ڈالا۔ اس قسم کی سیکڑوں بے رحمیاں اور قتل
واقع ہوئی تھیں جنگی بناؤں پر ترکوں نے انکی صفائی کی طرف توجہ کی جن باتوں کو دیگیگر خود جرمی افروں
اور غیر جانب اپنی سویڈی سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں کو ہی دیا تھا اور ہر طرح انہوں کو ظالم قرار دیا تھا انکو
تو یہ ہو کہ ایام جنگ میں جبکہ ترکی حکومت بیرونی حکومت کیساتھ مشغول تھی مقتدر مظالم کی ابتداء کرنے والی قوم
باوجود ہتھیار وغیرہ پائے جانے کے گزیر تو انین مارشل لالائی جاوے تو وہ ظلم ہو مگر اگر ہندوستان کے
نئے غیر ایام جنگ میں سیر گزرا اور اُسکے جلسے کریں تو اپنی قوانین مارشل لا جاری کرنا اور ان کو مشین گنوں
رائفلوں سے برباد کرنا جنرل ڈائراڈ اور کاخالص عدل شمار کیا جاوے یہیں تفاوت ہ از کجاست تا کجا
ترکی کو ازم تر واریمنوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُس سے کچھ فائدہ ہی ہوا تھا کہ یورپ نے عربوں
سائے لائبر کیا اور شریف حسین اہل سوریا اہل عراق سے حمایت ناجائز اور شیعہ افعال کر ائے جنگی بناؤں پر
نہایت بڑا اور زہر دیا بشرطی تو یہ بہرہ پارہ جہت تھی تو یہ کہ اگر عربوں کی خیانت خونی تو ترکی کسی طرح
بھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھا سکتی تھی۔ مگر اُسکا مزاج عرب پاروں طرف چکر رہا ہے۔

ضلع یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ترکی کو ایسی حالت میں چاہر برس برابر لڑائی پر قیام کیا
جسکی نسبت کسی کا دم و گمان بھی نہ تھا۔ اسیں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے

بہت سی فروگزاشتیں اور بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں۔ بہت بڑیت اور اغراض نفسانی دارے
لوگوں ایسے تنگ اور خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر بڑوں کے اخلاص اور حسن انتظام میں شک
بھی نہیں۔

اشرف بیگ کی
گرفتاری

اشرف بیگ چونکہ حجاز میں نجد وغیرہ کے قبائل اور تمام زمینوں اور گھاٹیوں کے واقف تھا
عربی زبان بھی خوب سمجھتا ہوا فنون جنگ کا باہر تھا اسلئے امام یحییٰ نے صفائین سے اپنا
آدمی استنبول اور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیج دو تو میں اپنی اور
موجودہ ترکی فوج کو لیکر شریف حسین پر چڑھائی کروں۔ اور چونکہ اُس نے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچا کر کاغذ
مدد کی ہر اسکا دفعہ کروں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور تقریباً بیس ہزار پونڈ فوج کے
مصارف وغیرہ کے لئے اور کچھ ہدایا نام بھی کیلئے اُس کے ساتھ روانہ کئے گئے تقریباً پانچ ہزار پونڈ اس کے علاوہ
خود اشرف بیگ کے تحفے اور چالیس ہزار جانناز افسر بھی ساتھ کئے گئے۔ اشرف بیگ اولادینہ منورہ آیا
وہاں ہزاری وغیرہ کا انتظام کیا اور اسلئے کہ کبیر شریف کے لوگوں پر جو اس کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم
ہو گا سیدھا استہمین کا مدینہ منورہ سے اختیار کیا بلکہ مدینہ منورہ سے اولاً خیر کی طرف روانہ ہوا
اور وہاں قصد یمن کی روانگی کا کیا۔ کل مجموعہ تقریباً ستر آدمیوں کا تھا۔ چالیس آدمی جنگی تھے اور باقی
خندنگار یا شتر بان وغیرہ تھے۔ غیر کے قریب انکو پانی کی غرض سے ایک کنویں پر اترنا پڑا وہاں تھوڑی
سی دیر گزری تھی کہ عبداللہ بیگ شریف کا بھلا یا سجدہ بیٹا جو کہ طائف کی مہم پر تھا طائف فتح ہونیکے
بعد بارہ ہزار سپاہی لیکر مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے
کو جاتا ہوا اسی کنویں پر آیا۔ انکو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف بیگ کو اس کی۔ جب اُس آدمی
پانی لینے کو کنویں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور آخر کار جنگ شروع ہو گئی۔ اشرف بیگ
نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج رکستہ ہے اور ہم ہتھیار بند فوجی قوانین سے اُفت
نقطہ چالیس آدمی ہیں۔ اسلئے حسب قوانین عسکر یہ میں تمکو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تھا راجھاں جی
چاہتے چلے جاؤ۔ انہوں نے اس سے کہا کہ آپ کیا کہہ گئے اُس نے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہو گیا
میں بھانگنا نہیں چاہتا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بنا کر مقابلہ کیا

پانچ گھنٹہ تک سخت مقابلہ ہوا۔ اور عبدالشہید کے لوگوں کو ہزیمت فاش ہوئی۔ مگر اُسکے بعد ایک
 جماعت بدوؤں کی پیچھے کی پہاڑی پر چڑھ گئی اور وہاں انہوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر انہوں کو
 شدید اور باقی ماندہ کو سخت زخمی کر دیا۔ اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جسکی وجہ سے وہ قتل و
 حرکت سے بالکل معذور ہو گیا۔ تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے اور سب کے
 سب شہید ہو گئے۔ جب مغرب ہو گئی تو گولی برسائی انہوں نے چھوڑ دی رات پھر زخمی وہیں پڑے رہے
 صبح کو اگر تمام اسبابِ غیرہ لٹا اور زخمیوں کو لینگے۔ اشرف بیگ نے پڑا کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مگر اُسکو میں
 دلائیں اور اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائیگا۔ آخر کار اُس کو اٹھا کر شرف عبدالشہید
 کے خیمہ میں لائے اُس نے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا۔ اُسی وقت زخمیوں کو دھلویا اور کپور ڈھیر
 کے ساتھ منیج البحر بھجوا دیا وہاں جڑہ بھیجا گیا۔ اور پھر مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ اشرف بیگ کے اسیر ہونے
 پر شریف حیدر نے بہت خوشیاں منائیں۔ پھر اُسکو مصر بھیج دیا گیا۔ مصر میں زیر اسارت اُسکا ڈاکٹری
 علاج کیا گیا مگر اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر بدوی جراح بلایا گیا اُسکے علان سے نفع ہوا اور
 اور چلنے پھرنے کی قوت آگئی۔ اُسکو مصر میں خلافت قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اُسکو ترکیبے میلی
 کہ وہ اپنے قوم کے خلاف فوج لیجا کر جسکو برٹش گورنمنٹ دیگی از میر کے میدان میں اُترے اور وہاں
 جنگ کرے جس شخص کے ذریعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو تمام
 صوبہ از میر (سمرنا) کا اُسکو دیدیا جائیگا۔ اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اُسکو دی جائیگی۔ اشرف بیگ
 نے اُسکو مارا اور بہت گالیاں دیں۔ جب عرصہ تک زائش کر لی گئی۔ نہ سختی نے اُسکو دریائے لاجلے
 اُسکو رجھایا نہ وحدت اور تنہائی نے اُسکو گھرا یا تو اُس سے مایوس ہو گئے مصر کی اسارت گاہوں میں
 جہانپور اور سہراؤتے اُسکو نہ بھیجا گیا۔ بلکہ سیدہ ماٹا بھیجا گیا۔ یہاں اُس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا +

یہاں آکر اُس نے اولاً تمام عثمانی اسراء کو بھاپا۔ لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال
 کی تحقیق کی۔ بہت سے ایسے کمزور اور نادار آدمی پائے جنکی مالی حالت خراب اور اخلاقی
 کیفیت نہایت ضعیف تھی اُس نے اولاً انہوں کو چند ماہ اور دینے پر آمادہ کیا
 اور ایک خاص انجمن عثمانی اسراء کی خبر گیری کے لئے بنائی ان کے لئے تعلیم کا نظام قائم کیا تاکہ نو عمر

اشرف بیگ کا
 حسن نظام

قابل لوگ کچھ تعلیم حاصل کریں متنبوں سے اُن کے لئے کتابیں بذریعہ ہلال عمر منگائیں۔ نیز ہلالِ عمر سے ان نادار لوگوں کے لئے نقد منگایا جسکو وہ بذریعہ انجمن جسکے ہاتھ میں ہر شخص کے لئے تعین مقدار حسب مرتبہ تھی ایک نظام پر تقسیم ہوا رہی کرتا رہا، گیمٹ کمپ کے افسر ا کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچہ کرتا رہا تاکہ عمدہ اور لذیذ کھانا اُن کو ملا کر اسے اسے مختلف قومہ خانے کھوئے اور اُس میں مسلمانوں کو کھاکر وہ طریق تجارت سیکھیں اُن سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے مجھکو نفع میں سے ادا کر دو۔ چنانچہ منظم لوگوں نے اُس کے مصارف کو بھی ادا کر دیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کر لی۔ اسکی فکر ہمیشہ مسلمانوں کے ترقی اور نفع کی تھی۔ یہ ہمیشہ اتحادِ اسلامی کا حامی رہتا تھا اسکو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد عربی اتحاد ایرانی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی۔ وہ جملہ کلمہ گوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا۔ اسکی ہمت نہایت بلند تھی۔ اسکی جسمانی قوت بہت زیادہ تھی۔ مالہ کے موجود لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی اسٹرین کوئی اُس سے زیادہ قوی نہ تھا اسکے جسم کی ہڈیاں نہایت قوی اور بڑی تھیں۔ اسکے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا۔ ترک عموماً سادگی وضع رکھتے ہیں۔ ہندوستانی امرا کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات و سکنات لباس طعام وغیرہ میں نہیں رکھتے۔ اگرچہ اختلاط اور پکا بڑا اثر پڑ چکا ہے۔ مگر اپنی جبلی عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے۔ اسکو ہندوستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جفدہ اُس سے دل کھولکر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے۔ اسکی سادگی اور عادات و اطوار کو پسند کرتے تھے اور اسکو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا ہفتہ میں ایک دن اُسکے پاس غرور جاتے تھے اور اسکو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تہذیبی
عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تہذیب کا ہے مگر واقعیت اسکے خلاف ہے ترکوں کے تہذیب کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو اُن کو ہی فوقیت دینا پڑتا ہے۔ ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ نہایت متہذبن ہے یعنی فیصدی شاید اسی اور نوے تک نمازی اور عقائد صحیحہ والے لوگ ملیں گے اور مع اسکے جہاد کے نہایت شائق اسلام پر جان دینا اُن کے نزدیک نہایت مبارک فعل ہے۔ طبقہ اعلیٰ کے لوگ البتہ بدین ہیں مگر

بھی جو لوگ یورپ میں رہ چکے ہیں وہ اکثر اپنے عقائد اور اعمال میں خراب ہیں ان میں غالباً فیصدی
میں اچھے خیال اور اعمال کے ہوں گے اور فیصدی اسی آزاد خیال آزاد انحال ہیں۔ جو لوگ یورپ
نہیں گئے ہیں وہ فیصدی ساڈھا ستر متدین ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں۔ غرض کہ عام ملت ترکیہ
ایسے نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عموماً غیر متدین ہے
فیصدی میں بھی اس فرق میں سے متدین نکالنا مشکل ہو گا۔ بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی ہیں یا پند
بھی نکالنا دشوار ہے۔ ترکوں کے عقائد عموماً بہت اچھے ہیں۔ یورپ کے قرب اور ان کے اختلاط
نے بہت بڑا اثر ڈالا ہے جس سے عموماً متاثر ہوئے ہیں۔ یورپ کے لوگ ہیں۔ یورپ نے قصداً
ان کے متدین کے احساس کو مختلف طریقوں سے کم کیا ہے۔ ترکوں کے علماء نہایت ہی متدین ہیں
اتباع سلف میں بہت زیادہ کوتاہاں اور حق گوئی میں بے نظیر ہوتے ہیں۔

اشرف بیگ کے عقائد بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور دینیہ میں کمی پر تھی مگر منہا سب سے
سخت متنفذ تھا جبکہ تمام ترکی لوگ مالہ سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے بھی چھوٹے کا حکم آیا سنے اول
اول دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے آپ سب سے اخیر میں روانہ ہوا۔ اور پھر استنبول پہونچا اُسے
پوری قومی ہمدردی کی داد دی اور پھر جاکر مصطفیٰ کمال سے مل گیا۔ جیسے مصطفیٰ کمال نے اخباروں میں
مضمون دیا تھا کہ اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں جھپک گئیں۔

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوزباشی) سید حسن افندی بغدادی جو کہ بحری
فوج کا افسر تھا۔ اور کپتان (یوزباشی) نیاززی افندی۔ سپر (بیگباشی) بہاؤ بیگ جو کہ پورٹ سعید
میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا۔ اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی تھا۔ یہ سب لوگ بہت
اخلاص اور عقیدت مندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عقلمندی کی نگاہوں سے مولانا
کو دیکھتے تھے۔ جب غیر میں وردالہ اور وال فرسٹہ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت التوا جنگ کے بعد کے
اسلام میں چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے۔ یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے۔ جناب
شیخ الاسلام خیر الدین افندی ان کے رفیق جمیب بیگ احمد پاشا الز پاشا کے والد ماجد کرنیل (میرالائی)
جلال بیگ کرنیل جو ادبیات۔ فائق بیگ۔ مفتی حسن فاضل افندی وغیرہ۔ شیخ الاسلام موصوف نے

بیت کی بھی درخواست کی تھی مگر مولانا نے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے کتابوں اور امداد کی اجازت مانگی اسکو مولانا نے قبول کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر ان کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل الخیرات جو کہ خط و ملت میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی جیسا کہ خیر میں چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھ کر بطور طلب عا اور درخواست یادگاری دستخط بھی کر دیا تھا۔ کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حائل نہایت عمدہ اور خوبصورت چھاپہ کی مولانا کی نظر کی تھی۔ مولانا مرحوم اسیں اسکے بعد پڑھا کرتے تھے۔ انور پاشا کے والد احمد پاشا سمعراور نہایت سادہ آدمی ہیں ان کو بزرگوں سے نہایت خلوص اعتقاد ہے وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے۔ علاوہ ان کے صدر اعظم سابق سعید علیہم پاشا اور ان کے بھائی عباس حلیم پاشا بھی کبھی کبھی آتے اور ملنے تھے۔ جرنیل محمود پاشا جنرل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے۔ جب خلافت کیٹی قائم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دوبارہ خلافت مطالبات شروع کئے ان لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چونکہ لندن ٹائمز اور ریوٹر برابر اتار پڑھتا تھا اور اس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں اور بہت سے افسران میں سے انگریزی زبان سے خوب واقف تھے اسلئے وہ لوگ عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبت بہرے الفاظ میں کیا کرتے تھے بلکہ چلتے وقت ان بڑے عائد نے شکریہ کا ایک ٹھہر بھی بنا کر دیا تھا جو کہ مولانا مرحوم کی بیماری اور شفویت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔

اور بہت معزز عمدہ واسے لوگ تھے جنکو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق تھا اسیں سے میجر (بیگاشی) احمد حیدر بیگ نے بہت زیادہ امداد کے بحیث بھی کی تھی۔ عموماً بچ وقت ہمارے ساتھ وہ اور قائم مقام (فٹنٹ کرنیل) محمد توفیق بیگ نماز بھی باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ جب مالٹہ سے روانگی ہونے لگی تو تمام افسر صدر اعظم سے لیکر نیچے کے درجہ تک سب کے سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت ہی اور محبت سے آبدیدہ ہو کر سہولت بخشیت کیا۔ وہ جمع اور وہ سماں بھی عجیب تھا کیونکہ بہت ذمی تھا دنیاوی لوگوں ہاں سے روانہ ہوئے مگر ایسا بڑا مجمع ان کی خیریت کے وقت اور ایسے ایسے بڑے تہذیب الو

اجتماعِ انبیوت دعا و آمین وغیرہ کے ساتھ کسی سید نہیں ہوا تھا۔ انگریزی افسر وہاں موجود تھا
اس حالت کو دیکھ کر نہایت قہقہہ کرتے تھے ۵

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
گر نہ بخشہ خدا نہ بخشندہ

یہ بیعت اور دہ بے حقائق تھا۔ نفسانی نہ تھا۔ و شیعہ جس کی کہی نہ۔ المانہ زندگانی کا
جامہ نہ پہنتی تھی۔ نہ ہستی کہ جسے کہی اپنے آپ کو مسندِ علم کی صدر نشینی پر پیش کیا ہوا اس کی لباسی
اور عملی کارروائی ظاہر میں ایک معمولی درجے کی کسی متجاوز نہ ہوتی، ہوا اس کو لوگوں کے اختلاط اور منہاج
کے محال کرنے سے وحشت ہوا اس کی یہ عزت و تکنت، عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت، اگر اس کے
تقویٰ اور یقینیت کا اثر نہ تھا تو کس کی تھا۔ ہندوستان میں جو قبولیت، مولانا مرحوم کو خداوندِ کریم نے عطا
فرمائی اور جس وقت لوگوں کے دلیں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے
فرجہ اللہ و ارشاد۔ آمین ۶

اب میں اس اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بردار ہوں کہ خداوندِ کریم اس ناکارہ
کو بھی مولانا مرحوم اور ان کے اسلافِ کرام کے طفیل اور اپنے فضل و کرم سے استقامت اور ایمان
عطا فرما کر اپنی خاص موفقت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام امتِ محمدیہ پر دنیا اور
آخرت میں اپنا خاص لطف و فضل بخش فرماوے آمین، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۶

— ۵۵ + ۵۶ —

حسین احمد غفرلہ

تذکرہ سوانح شیخ الہند

حضرت الامام مولانا محمود حسن صاحب طائراہ

۱۴۷۰ھ

حاصلًا و مصدقًا و مستمداً۔ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں و بالکل ظاہر ہے کہ حضرت الحاج
زبدۃ الکاملین قدس سرہ نے انہیں شاگرد الفیرین فخر المحدثین میں پائے شیخ الہند مولانا مولوی محمود حسن صاحب
قدس سرہ کی سوانح لکھ کر انہیں مولیٰ بات اور اسان کا نام نہیں جو شخص پورا اسکے۔ ابتدائی واقعات
بچپن اور ایام طفلی و عہد شباب کے اعتبار سے یقیناً آپ کا ہم عصر ہونا ضروری ہے جسکو شریف صحبت
ورفاقت بھی حاصل ہو لیکن جو اس تمام سوانح کی پہلی روح و اہل اور واقعی جان ہے جسکے بغیر جسہ بلا روح
کا لقب بیا صحیح ہوگا) یعنی انتہائی واقعات کے لحاظ سے وہی قلم اٹھا سکتا ہے جو نظر بندی کے ایام میں
شریک مصائب و حزن شریفین وغیرہ میں ہمراہ اور مصروفان میں خود بھی قید ہو۔ آپ ہی خیال فرما کر
انصاف کیجئے کہ جو شخص گھر میں آرام کیساتھ تمام کل شرب میں مصروف و مصلوۃ میں مشغول اور
اپنی بیٹی بیٹی میں مخمور رہا ہو اسکو مصروفان وغیرہ کے معرکہ سے کیا واسطہ۔ وہاں کے حالات کی
کیا خبر بعض نام باتوں کی اطلاع بھی ہو یا دوسے تو خاص مورد اسرار سے کیا واقفیت ہو سکتی ہے
بیشک ایسے الخبر کا معاینہ ایک صحیح مقولہ ہے اور اگر کوئی خاص بات بھی معلوم ہو جاوے تو مجرم اسرار
نہ ہونے کی وجہ اس غریب کو علم نہیں کہ کیا بات ظاہر کیجائے اور کیا نہ کیجائے اور کسکے اخفا و اظہار میں
کس قدر مبالغہ اور کیا نقصانات ہیں پھر بلا خوف و خطر اظہار کی جرأت شخص میں مفقود۔ سب آدمی مرد میدان
نہیں ہوتے شخص ہر بات کو جانی خطرہ اور مالی نقصان کے وقت قابو نہیں کر سکتا اس کام میں ہمیشہ
شجاعت اسلامی و جرأت ایمانی اور بی نظیر بیباکی و دلیری کی حاجت ہے جو اس تاریک زمانہ میں بالکل ہی کمیاب
ہے۔ واقعی کاینا خوف فی اللہ و حجة کا حق کاہر کس ناکس مصداق نہیں نیز ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ
کے ساتھ ہی ذہن ثاقب و فہم کامل کی بھی حاجت ہے تاکہ واقعات کو میزان عقلی میں وزن اور اندازہ کر کے

ہر واقعہ اور محل میں اپنا کمال دکھلا سکے ان سب اوصاف حمید کے ساتھ قادر علی الکلام بھی ہوتا کہ واقعات کو شیرینی اور یکنی طرز پر دلچسپ بیان کر سکے اور ناظرین کے شوق و رغبت کو زیادہ کر کے صاحبِ سخن کی تقلید و اقتداء کا بخوبی شوق پیدا کر سکے خود نمونہ بنکر ان کے نقشب قدم پر چلنے کی تلقین و ہدایت کرے محنت و صبر کرنے کا عادی ہو۔ تہذیب متانت کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ساتھ ہی مولانا مرحوم کا مزہ شناس بھی ہو۔ ہماری رکناقص میں جسپر غالباً تمام مہقرین کا اتفاق ہو گا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی کی ذات والا صفات ہی اس کام کے لئے بہترین انتخاب ہیں۔ البتہ سوانح شیخ الہند لکھنا پھر بھی مشکلات سے خالی نہیں کیونکہ حضرت مولانا مرحوم کی ذات قدسی صفات اور آپ کے حالات طہیات معمولات و مجاہدات۔ اخلاق و عادات۔ علوم و کمالات۔ تہذیب و تفسیر صبر و شکر۔ رضا و حیا۔ توکل و تحمل شجاعت و ہمتاقت قناعت و سخاوت۔ عبادت و ریاضت۔ شریعت و طریقت وغیرہ وغیرہ کوئی معمولی امور نہیں کہ جنکو ہر کوئی پورا کر سکے کوئی لکھے تو کیا لکھے اور بیان کرے تو کیا کرے۔ البتہ آپ کے فیوضات و برکات نگاہری و باطنی سے ہر شخص فیضیاب ہے۔ بقول شخصے

بہار عالم شش دل و ماں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را بہوار باب معنی را

حضرت مولانا مہاجر مدنی مدظلہ العالی کو حق تعالیٰ جزا خیر مرحمت فرمائے کہ آپ کے قلب مبارک میں پیر بزرگ اور دوست اچانکے اصرار کے باعث یہ خیال پیدا ہوا مگر تحریکات حاضرہ میں مشغولیت کی وجہ سے کوئی خاص موقع میسر نہ ہوا کیا ایک غیبی ماہ پیدا ہوا اور اچانک مولانا ممدوح امیر مالٹا سے پھر مظلوم فرنگ ہو کر مجبوس کراچی ہو اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر جہاں آپ نے کلام مثل لہ و کلامثال بیانات کراچی تیار کی وہاں اس سوانح کا تصور بھی پیش نظر رکھا جو آپ حضرات کے سامنے بعینہ موجود ہے۔ کاپی لکھنے کے وقت اسکی تصحیح حضرت مولانا عزیز گل صاحب میر مالٹا کے سپرد ہوئی تاکہ تصحیح کیا ساتھ اس سوانح کی بخوبی تصدیق بھی ہو جائے۔ شخصے

رشد احمد ہر آن چیز کہ خاطر غنوت
آخر آند ز پس پردہ وقت دیر پدید

ضروری نوٹ۔ چونکہ اس کتاب نے ذرا کتب مولفہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کا تمام کمال منافع ان کے ارشاد اور شوق سے کسی مصرف میں صرف ہوا اسلئے کسی شخص کو طبع کرنے اور کراہنے کی اجازت نہیں بلکہ حقوق طبع و نام حق محفوظ ہیں۔

الولین محمد حسین عفا عنہ العالیین فی یوم الدین اللہم آمین

خطیب دیوبند خادم آستانہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ

لے
جو طبع ہوئے
ہیں اور
خلافت شام
دارالافتاء
دیوبند سے
دل لکھتے ہیں
—
پیش
ہر مدنی

مختصر حالات حضرت مولانا حسین احمد رضا اسیر مالٹا ثم مجوس کراچی لکنا

آپ کا قدیمی وطن موضع الداد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ آپ بخیل لطیفین حسینی سید ہیں آپ کے والد بزرگوار صاحب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب۔ قدس سرہ گنج مراد آبادی کے خاص خلفائے ہیں۔ آپ کے دو بڑے بھائی حضرت مولانا صدیق احمد رضا اور حضرت مولانا سید احمد رضا آپ سے پہلے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے تھے۔ ان ہی کی موجودگی میں آپ بھی تشریف لائے اور شیخ الہند مرحوم کو نجد میں علمی فیوض سے متعمق ہوئے۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب ظلمہ کو حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے بہت زیادہ انس اور خاص محبت تھی۔ اس زمانہ کے دیگر موجودہ حضرات کے علم فضل زہد و تقویٰ کے قابل ہو کر بھی اپنا مادی و ملبیاء حضرت مرحوم ہی کو سمجھتے رہے۔ بیعت کے متعلق بھی کسی دوسری جانب خیال نہ تھے۔ یہی عقیدہ رہا کہ جب کبھی موقع ہو گا حضرت شیخ الہند ہی سے بیعت ہو جائیگی جب کبھی حضرت اقدس مرحوم تذکرہ بیعت کر کے غرض کیا تو حسب عادت شریفہ مختلف طرق سے عذر و انکار فرمایا۔ آخر الامر مولانا حسین احمد رضا سلمہ کا ارادہ اپنے والد ماجد صاحب مرحوم کی ہمراہ ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ہوا۔ تو حضرت اقدس مولانا مرحوم نے آپ کے برادر معظم مولانا صدیق احمد رضا سے تاکید کی کہ گنگوہیوں ان کو بھی داخل سلسلہ کرا دیجئے۔ مولانا حسین احمد رضا واقف ہی تھے کہ حضرت اقدس مرحوم بہت ہی کم بیعت فرماتے ہیں اور میرے لئے باوجود کمال شفقت کے انکار ہی فرما چکے ہیں بلکہ خود ہی گنگوہ شریف کی طرف راہ نمائی بھی فرمائی ہے۔ یہی گنگوہی قطب عالم اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد رضا قدس سرہ کا دربار گریز بھی مرجع خلافت تھا اسلئے ماہ شعبان ۱۳۱۶ھ میں گنگوہ شریف حاضر ہوئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے درخواست پر اس کو مہر گرانہ یا کو شرف قبولیت بخش کر بیعت سے معزز فرمایا اور چونکہ آپ کے والد ماجد مرحوم کا قصد ان ہی ایام میں ہجرت کا تھا اسلئے گنگوہ شریف کچھ قیام نہ ہو سکا بلکہ اعلیٰ حضرت گنگوہی نے اشغال و وظائف بھی اعلیٰ حضرت اقدس شیخ بہار والہم حاجی اماد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مکہ معظمہ میں دریافت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ کے والد ماجد صاحب نے ہندوستان حجت نشان کو چھوڑ کر شوق قرب روضہ اطہر علی اللہ علیہ وسلم

میں بحال خلوص اپنے سب اہل و عیال اور پانچ صاحبزادوں اور ایک سال پوتے مولوی وحید محمد کو
 ہمراہ لیکر چلے مکہ معظمہ کی غرض کیلئے قیام کیا۔ یہاں حج بیت اللہ شریف سے
 فارغ ہو کر اپنے جد امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں مستقل قیام
 اور سکونت اختیار کی۔ مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ نے حرب ہدایت حضرت مولانا گنگوہی کے مکہ معظمہ
 میں حضرت اقدس شیخ العرب العجم حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں چند روز استفادہ
 کمالات روحانی فیوضات کیا۔ ذکر و اشغال میں مصروف رہ کر وہاں سے اجازت رخصت ہوئے۔ پھر مدینہ
 منورہ پہونچ کر (مسجد نبوی) حرم شریف میں سلسلہ درس حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جاری کیا
 اور اشاعت علم شروع کر دی۔ بہت سے مستعد اور ذکاوت اہل علم طلبہ کی خدمت میں تحصیل علم کرنے
 لگے۔ اس شغل میں بھی اصلاح باطن کا برابر خیال رہا۔ گنگوہی شریف بعض حالات اور واردات کی
 اطلاع دی۔ وہاں سے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب تحریر فرمایا کہ چند روز کیلئے
 میرے پاس چلے آؤ۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ العرب العجم حاجی امداد اللہ صاحب کی وفات
 ہو چکی تھی باوجودیکہ سند درس پر آپ متکین تھے اور ترقی روز افزوں پیش نظر تھی۔ مگر حضرت
 گنگوہی کے ارشاد پھر اصلاح باطن کا خیال بھی اہم اور ضروری تھا۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ
 تعالیٰ علیہ کی محبت وہ غلبہ کیا کہ تمام تعلقات کو یکدم چھوڑ کر فوراً ہندوستان کا قصد کیا۔ اپنا اندختہ
 سرمایہ تودالہ بزرگوار مصارفِ ہجرت ہی میں صرف کر چکے تھے اور جو کچھ بقیہ تھا وہ بڑے بھائی مولانا
 محمد صدیقی صاحب لیکر شوق زیارت بزرگان دین عازم ہندوستان ہو کر ان سے پہلے روانہ ہو چکے تھے
 محض تو کلام اللہ مولانا نے بھی ارادہ فرمایا اور والد ماجد صاحب سے اجازت حاصل کر کے طالب علم ہو
 اور جو کچھ بہت ہی قلیل رقم موجود تھی لیکر متوکلانہ طریقہ پر روانہ ہوئے۔ مولانا کے شاگردوں اور
 معتقدوں کی کچھ کمی نہیں تھی۔ لیکن یہ کساو خبر تھی کہ گھر میں ہوا سرمایہ تو کل کے کچھ بھی نہیں اور یہاں
 حرف سوال تو کجا اشارہ و کنایہ بھی خلافِ غیرت و حمیت تھا۔ مکہ معظمہ پہونچ کر حج بیت اللہ ادا کیا
 پھر وہاں جدہ پہونچے تو معلوم ہوا کہ بڑے بھائی صاحب انتظارِ جہاز کی گفت اور زاد راہ کی قلت
 سے پریشان ہو کر واپسی کے ارادہ سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ مولانا مدوح ایک انگوٹ کا ٹکٹ خرید کر

سوار بھی ہو گئے تھے روانگی کا انتظار ہی تھا کیا ایک معلوم ہوا کہ اُنکی روانگی ملتوی ہو گئی مولانا خدمت کو غنیمت سمجھ کر برادرِ معظم کی ملاقات کیلئے مکہ معظمہ واپس تشریف لائے اور اُن کو سفرِ ہندوستان پر آمادہ کر کے ہمراہی میں لکر جلد واپس ہوئے۔ یہاں پہنچ کر سرمایہ زاد راہ ختم ہو چکا تھا اتنا بھی ہر دو کے پاس موجود نہ تھا کہ صرف دخانی جہاز کا ٹکٹ ہی خرید لیں۔ حیران تھے کہ اب کیا کیا جائے مگر شوقِ سب کچھ کر اتنا ہے بادبانی جہاز کا ٹکٹ دس دس روپیہ میں لیکر ڈیڑھ ماہ میں مسقط پہنچے وہاں کے دو دو روپیہ دیکر کراچی آئے یہاں مجبُو ہو گئے کہ ریل کا ٹکٹ خریدا کر کے بعد ایک پیسہ بھی پاس نہ رہا مدینہ منورہ کا تبرک کجوریں فروخت کرنے کو دل نے ہرگز گوارہ نہ کیا۔ البتہ مسقط کا حلوہ جو بزرگوں کے لئے ہدیہ کی غرض سے خریدا تھا فرو کر کے انتہائی ضرورت میں کچھ کھانا خریدا خدا خدا کر کے سہارنپور پہنچے۔ بڑے بھائی صاحبِ ابراہیم دست انگلوہ چلے گئے مگر مولانا حسین احمد صاحبِ طلحہ شیخ الہند کی خدمت میں پہلے دیوبند آئے اور قدیمبوسی کے بعد رخصت ہو کر گنگوہ پہنچے۔ قطبِ عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ نے نہایت محبت و رشتہ سے دونوں بھائیوں کو نئے جوڑے پہنائے جو پہلے سے تیار رکھے ہوئے تھے۔ اور خاص تو جس سے ارشاد و تلقین کر کے باقاعدہ معمولات اور ذکرِ اُتد میں لگا دیا۔ اور قلیلِ ریاضت کے بعد ایک روز بعد عصرِ جمع عام میں بلا کر کچا بل شفیقت و عنایت ہر دو بھائیوں کے سر پر خود اپنے دستِ مبارک دستارِ خلافت باندھا انتہائی عزت فرمائی۔ یہ وہ منصبِ جلیلہ اور خاص مرتبہ تھا کہ حضرت کے خدام میں کبھی کسی کے دل میں اس کا خیال تک بھی نہیں تھا اور حصہ دراز کی محنت و ریاضت کے بعد کسی خوش نصیب کے حصّہ میں سیر ہوتا تھا۔

چند ہی ماہ میں غیرتناہی فیوضات و برکات حاصل کر کے ۱۳۱۹ھ کے اخیر میں پھر ہندوستان کے مدینہ منورہ کی واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت اقدس گنگوہی مرحوم سے اجازت کے بعد دیوبند تشریف لائے اور یہاں حضرت شیخ الہند مرحوم کی شفیقت و عنایتِ مالا مال ہو کر روانہ بقصدِ حجاز ہوئے اور بلبرہ طیبہ مدینہ منورہ میں پہنچ کر حالتِ انتظار میں اپنے ضعیف والد ماجد صاحب کی آنکھوں کو منور اور دل کو مسرور کیا اور بستہ سابق مسجد نبوی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں درس جاری فرمایا۔ چند ہی روز میں بوجہ خلوصِ نیت اور کمالِ علم و فضل اور بکثرت دعواتِ صالحات بزرگانِ دین کے باری تعالیٰ نے وہ ترقی محنت فرمائی کہ مرثک اقران و امثال اور محمودِ خلایق ہوئے۔

سلسلہ ۳۲۵ء میں مدینہ منورہ کا درس کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کر کے حضرت استاد کی زیارت اور تحصیل فیوضات علیہ کے شوق اور بعض ضروریات کے باعث پھر ہندوستان تشریف لائے اور مسلسل تین سال حضرت کی خدمت میں رہ کر فیوضات ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ درس دیتے رہے اور حضرت اقدس مرحوم کے حلقہ درس میں مکرر ترمذی شریف اور صحیح بخاری پڑھتے رہے آپ کی سبکدوشی اور عمدگی سوالات کے باعث حضرت مولانا مرحوم حلقہ درس میں وہ مضامین عالیہ اور علمی نکات بیان فرماتے تھے کہ عام طور سے ذکر فرمانے کی عادت نہ تھی اس سال کا حلقہ درس مشہور بین الناس آپ کی ہمیشہ عادت تھی کہ اکثر علی الصبح حضرت مولانا کیلئے مسجد ہی میں آپ زمزم گلاس لیا لاتے اور بعد نماز فجر باب پیش کرتے اور مولانا مرحوم خاص محبت سے نوش فرماتے تھے

اس طویل عرصہ میں حسب ارشاد حضرت اقدس مولانا مرحوم اور باجائز والد ماجد صاحب کے ضلع مراد آباد میں ایک شریف خاندان اہل علم و فضل میں مولانا مدوح نے عقد مسنون شادی بھی کر لی اور اہلیہ صاحبہ کو دیوبند میں حضرت مولانا کے مکان پر لا کر رکھا ہے

صاحب کمال شیخ کی خدمت عالیہ سے جدا ہونے کو ہرگز دل گوارا نہ کرتا تھا لیکن والد ماجد کی تاکید اور تلامذہ مدینہ منورہ کے اصرار سے مجبور ہو کر شوال ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ پہنچے اور پھر مکہ معظمہ واپس آ کر حج بیت اللہ ادا کیا اور شروع سلسلہ ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ جا کر بہتر سابق نہایت سرگرمی اور ترقی و شوکت کے ساتھ مسجد نبوی میں درس جاری فرمایا مستعد تلامذہ بہت جلد پھر جمع ہو گئے خداوند تعالیٰ شانہ نے علم و فضل کی وہ شہرت عطا کی کہ دیگر اساتذہ حرم شریف کے حلقہ درس مختصر ہو گئے

مولانا مدوح کے والدین یہ وعدہ ہو چکا تھا کہ دو سال میں ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحب خود اپنے انتظام سے مدینہ منورہ کو اس کے خاندان سے ملا دیا کریں گے لہذا حبیب اللہ علیہ السلام دعا فرمائی۔ (والفعل بالعہد۔ از العہد کلومہ متوکد) (یعنی اپنا وعدہ پورا کرو بیشک وعدہ کی نسبت سوال کیا جائیگا)۔ مولانا مدوح سلسلہ ۱۳۲۳ھ میں پتہ پنجاب مولوی وجید احمد صاحب سلمہ کو ہمراہ لیکر تیسری مرتبہ پھر ہندوستان تشریف لا کر شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا صاحب مدظلہ کے اور صرف آٹھ نو ماہ کے قریب فیض صحبت متع ہو کر سلسلہ ۱۳۲۳ھ میں (یعنی حضرت مولانا صاحب مدظلہ کے سفر حج سے ایک سال پہلے) اپنی اہلیہ صاحبہ کو لیکر مکہ معظمہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے

اور مولوی وحید احمد صاحب موصوف کو حضرت مولانا کی خدمت میں بغرض تحصیل علم بھجور گئے۔ مدینہ منورہ
جا کر پھر علم حدیث وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ حضرت مولانا شیخ السند مرحوم کی اطلاع پہنچی۔ نہایت
اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ اور حضرت شیخ السند مرحوم کو مکان پر نہایت احترام سے لے گئے۔
الغرض مولانا مرحوم نے چھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرما کر جب پھر مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت
مرحوم کی خدمت کیلئے آپ بھی مکہ معظمہ تک ہمراہ تشریف لائے۔

جنظام و غاصب شریف مکہ معظمہ نے حضرت شیخ السند مرحوم کو حرم محترم میں اسیر کر کے معجلہ ہمسریا
کے جہدہ روا کر دیا اور مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کو رہا کرنا چاہا تو مولانا مدد و ج نے منظوریہ کیا بلکہ ظالم
شریف سے اصرار کیا یہاں تک کہ اس نے آپ کو بھی جہدہ روا کر کے شریک نظر بندی کر دیا۔ چار سال تک تمام
تکالیف مصائب آلام میں صدق و اخلاص سے خلاص کرتے رہے اور مولانا مرحوم کی عادت شریفہ
کا خیال فرما کر قرآن مجید حفظ کرنا نظر بندی ہی میں شروع کر دیا اور بعد حفظ تراویح میں سنا یا۔ اس نظر بندی
مالا کے ایام میں آپ کو بہت سے خصوصی مصائب کا سامنا ہوا۔ آپ کے والد ماجد صاحب اور ہر دو برادر معظم مغربی
کے بے بنیاد شبہات پر گرفتار کر کے ترکی حکومت کی طرف سے اڈیا پول بھیجے گئے۔ مستورات
بیکس بے بس تنہا رہ گئیں۔ آپ کے والد ماجد صاحب نے بعد حسرت دیاس اسی جگہ وفات پائی۔

راویہ مدینہ منورہ سے مصیبت زدہ اہلیہ صاحبہ اور صغیر سن گنجت جگر سپر (لڑکا) اور دختر (لڑکی)
سموٹیلی والدہ اور دیگر چند اقارب کی وفات کی جگر خراش خبریں معلوم ہوئیں اور متواتر صدقات پر
صدقات پرتے رہے۔ مگر آپ برابر صابر و متاثر اور ثابت قدم رہے۔ اسی مضمون کو ایک قابلِ فخر
دیوبندی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

کیا اٹھکانا ہے حسین احمد کے صبر و شکر کا آدمی سے جیل جا کر وہ فرشتہ ہو گیا
آپ نے بزم و ثبات صبر و سکون تمام صدقات برداشت کئے اور حضرت اقدس مرحوم کی رفاقت
اور ظلِ عاطفت کو ذریعہ نجات سمجھا کہ آپ کو کافی تسلی اور تسکینیت سمجھا۔

حضرت مرحوم ہر چند سمجھا یا کہ گورنمنٹ انگریزی نے محکمہ ہی جرم سمجھا ہی تم بے قصور ہو رہائی کی فکر اور
تحریک کو کشش کرو گراں اور دیگر افتخار نے بھی جواب دیا کہ حضرت جان بگا مگر ایسی حالت میں آپ کی خدمت اقدس ہم ہرگز جہنم گئے

۵ نکل جانے دم تیرے قدموں کے اوپر یہی دل کی حسرت یہی آرزو بہت
 رہائی کے بعد بھی حضرت مرحوم کے ہمراہ سفر و حضر صحت و مرض میں برابر حاضر خدمت رہے مولانا مرحوم کے
 ارشاد پر اپنی اہلیہ صاحبہ مرحومہ کی ہمیشہ سے پیغمبر نکل چکا۔ وفات سے تین یوم پہلے مولانا ابوالکلام صاحب
 آزادی کی درخواست پر لے گئے اسلام آباد کالج میں مینیاٹ کا مدد مدرس تجویز کر کے حضرت مولانا مرحوم نے بحالت مرض ہی
 وہاں سے روانہ کر دیا۔ وفات کا تاؤ پہنچے پر حیران پریشان ہو کر تجلیات تمام تشریف لے گئے۔ وفات سے ایک ساعت
 (گھنٹہ) بعد پہنچے آپ کو اس کا جو منہ و بطن اور حسرت و افسوس ہو گا وہ قابلِ تجر نہیں رہے۔ کچھ روز کے بعد ملازمت ترک
 کر دی اور تحریکِ خانہ میں بہت ہی سرگرمی سے حصہ لیا یہاں تک کہ وفات کے کچھ عرصہ پہلے ہی گھبراہٹ اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء
 مطابق ۸ ماہ مہر ۱۹۲۱ء کو حضرت شیخ الہند مرحوم کے مکان سے نکالنے کا عالم کو منہ سے ٹھہر گئے۔ بوقتِ عصر وائے ذریعہ
 سے گرفتار کرنا یا ہالیکین باشندگانِ قصبہ یوں بند کر کے دی محبت اور اُن تھا اور بلا نقصان گرفتاری پر لوگوں کو
 بے غم کیا۔ ساتھ غصہ بھی آیا۔ آپ ہی نے لوگوں کو تسلی و تسخنی دی۔ اور منت و حاجت سے دس بارہ ہزار کے بھیجے کو
 سمجھا کہ بہت مشکل سے رخصت کیا۔ اور مولانا عزیز گل صاحب نے بھی بہت تدابیر اختیار کیں اور پولیس والوں سے
 وعدہ کیا کہ کل صبح ۹ بجے کی گاڑی سے ہم خود لوجیاٹنگ اور اسٹیشن پر سپر وڈرنگ جیتا ہم آؤی ملتان ہو کر چلے گئے
 تو گورنمنٹ نے سب سے شکوہ کر رکھا اور گورنمنٹ کو فوجی بار گرفتار کر لیا۔ افسوس کہ اپنے وعدہ کا کچھ خیال بھی نہ کیا اور ۲۴ مہر
 ۱۹۲۱ء کو آپ نے وہاں لے ڈالا۔ وائس لایٹ بیان کیا کہ دیکھنے ہی سے غفلت رکھتا ہوں اسکی تحریف میں صرف یہی بات
 کافی ہے کہ بانی ختم پریش الابرار مولانا محمد قاسم صاحب نے سلمہ لید نے آچے قدم جو م لے۔ اسکے بعد حش
 جج کے یہاں و سرایان نے انیس نے ایوانِ حکومت میں از لہ والدیا جہت ہی غریب ہو۔ یہ ہر دو بیان
 بھی طبع ہو گئے ہیں۔ سانکے علاوہ تقریریں بھی طبع ہو چکی ہیں اور وہ بھی مل سکتی ہیں۔
 ماہِ ذیہجہ ۱۹۲۱ء میں آپ کو دو سال قید باشت کا حکم سنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کراچی سے آپ احمد آباد کے سابق
 جیلانی زمین متقل کر دے گئے۔ آپ کیلئے مہسوط اور قتل سوانح عمری کی ضرورت ہے۔ یہ چند مطرین نہایت مجمل حال
 ہیں جو فی الحقیقت ایک مختصر تذکرہ ہی اور آپ کے سوانح حضرت مولانا مرحوم کے سوانح کے ساتھ اسی طرح مختصر اور
 مربوط ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبرک سوانح میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مبارک حالات
 تسلمہ اللہ تعالیٰ واعانہم وضرہم اللہم ارحم الراحمین۔ والسلام محمد بن خطیبی پو بند

مختصر فہرست کتاب خلافت غمانیہ الراشا والشیخ ابو یوسف شہر ابوبی (اندلیہ)

خلافت غمانیہ الراشا والشیخ ابو یوسف شہر ابوبی سے ہر قسم کی کتابیں اور روایتیں خیر
مثلاً کھڑو چرخہ وجوتہ وغیرہ وغیرہ یہ کتابیں مل سکتی ہیں

الالبواب التراجم حضرت الامام شیخ الہند ابوالیاس محمد بن صاحب قدس سرہ کی سب سے اچھی تصنیف زمانہ ابوبی
بالکتابہ میں شغلہ ابتدائی البواب تراجم کے متعلق تھکانہ وغیرہ علامہ عجمی نے غرضیابین مدینہ میں مکتبہ عربیہ اور امام تھقیں حضور طلب
نویا میں اس کتاب صلیب انتساب کو شیخ الہند مرحوم نے تصنیف فرمایا اس کتاب میں عربی کا نام و تخلص و طلباء پر مشتمل ماہیت ہی بڑا
احسان عظیم فرمایا یہ جدید و شگول مقام میں ہے بڑے علماء و فضلاء جبرائیل و پریشان رہتے ہیں اس کو پڑھ کر باطل بھل اور آسان
ہو جاتے ہیں بہت ہی عجیب و غریب اور کارآمد و مفید کتاب لاجواب ہے۔ اس ماذگان کی خدمت کے خیال سے قیمت مقرر
مقدمہ کلام مجید حضرت الامام شیخ الہند مرحوم نے نظر بندی مالک کے ایام میں تصنیف فرما کر اور قرآن شریف کی خدمت
اکر کے ان ایام پر احسان عظیم فرمایا۔ اس کے پڑھنے سے کلام مجید کی پوری پوری غنیمت و حقیقت معلوم ہوجاتی ہے اور یہ بھی نظام ہو جائیگا
کہ جو عزیزان شریف کرنا ہر شخص کا کام نہیں یہ بعد مفید اور کارآمد کتاب ہے زبان سلیس و شامش عام فہم ہے۔ ہرگز نہ تفسیر
کی ضرورت نہیں بیشک اس کتاب کو خود میر عبد اللہ غفار نے آپ حضرات دعا فرمائی کہ پورا ترجمہ کلام اللہ بھی جلد شائع ہو جائے ہم
بھی ہر گز کہتے ہیں اور غرض اس جلد سال کیجئے۔ قیمت ۸

خطبات صدرائے کتابیہ نقابیر مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب اسیر الراشا قم مجوس کرچی فیہ
مجیدہ البواب تقریرات و خطبات صدرات ہر جس کا شائقین کو عرصہ

اسیر الراشا قم کرچی

انفرا نقابین جدیدہ و تقریریں تمام و کمال درج ہیں۔ اگرچہ اس کے بعض حصے باہت لوگوں نے شائع کر دیے تھے
لیکن ہم نے اس سال کو باکمال شکل شائع کیا ہے۔ جو دیکھتے ہی سے تعلق رکھتا ہے قیمت ۱۴

پہلا بیان کرچی اس میں حضرت الاسلام مولانا دہلوی حسین احمد صاحب اسیر تفسیر رنگ جلد بی کا وہ بیان درج ہے
بالکتابہ اس میں جو تقریریں ہیں جو حضرت مولانا نے شیخ محمد بن علی کے اجلاس میں یہ مجمع عام علی قیامت کبائتہ لاجوت و خطر
اس جگہ سے کہ ایمان نگہداشت میں ازراہ ہر گز کیا اور اسٹوکر کا نقطہ کیجئے پڑھ کر ملک صالحین کی یاد دہانہ ہو جائے گی مرنے والے

ہو جائیں گے۔ یہی تعریف صرف اس قدر کافی ہے کہ اس کے اختتام پر میرا احرار مولانا محمد علی صاحب جیسے بچے اور مل
یڈرنے میا خٹہ حضرت مولانا ممدوح کے قدم چوم لئے اور تمام حاضرین نے فوراً جڑ بٹاتے دم و جان لگا کر کیا قیمت ۳

دوسرا بیان کراچی یہ وہی معرکہ الآراء اور بے مثل دوسرا بیان حضرت علامہ مولانا مولوی حسین احمد صاحب مدظلہ العالی
باجلاس کشن جج امیر مازانم بخوس کراچی ہر کسی کو تمام حکام دم بخود اور حیران پریشان رہ گئے۔ اس کو پھر نکلا

حیرت انگیز دلیری و بہادری ہمت ایمانی و جرأت اسلامی پیدا ہو جانے لگی لڑنے اور بے سبیل حاضرہ پر بہت ہی کج بحث
کی ہو جس مسئلہ پر قلم اٹھایا شک شبہ تک باقی نہیں رہا ایک مرتبہ منگو کر ہماری صداقت آزمائے۔ عجیب کتاب ہے

مکتوبات عمل خطوط کراچی اس مختصر کتاب میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کے وہ قیمتی خطوط ہیں جن پر نہایت
معنوی مال بدیہی ہی کا آمد باتیں اور مفید نصیحتیں درج ہیں جن کو پڑھ کر ہر شخص وہ عمل اور طریقہ نجات

معلوم کر سکتا ہے۔ حضرت علامہ مفتی مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی نے کائنات کے لئے تعلیم بدیہی مال ہی اسی مختصر
میں ملے گا۔ ہم سے اسکی حقیقت دریافت نہ کیجئے بلکہ خود ملاحظہ فرما کر ہر کوئی دماغ سے خیر سے یاد کیجئے۔ قیمت دو آنے

تصانیف حضرت مولانا ابوالکلام عثمان آزاد دہلوی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
خطبہ صدارت تقریری لاہور	۶	تقریر مولانا محمد علی صاحب مدظلہ العالی	۸	امیر لاکھا کا پیغام	۹
خطبہ صدارت تحریری	۶	خطبہ صدارت دہلی و کٹنہو	۶	دنیا سے اسلام اور خلافت و نجات	۳
تازہ مضامین ابوالکلام	۱۰	تقریر مولانا محمد علی صاحب مدظلہ العالی	۳	خطبہ صدارت از مولانا ابوالکلام	۶
جماد اور اسلام	۶	جذبات جوہر نظم	۲	ترک موالات دیگر مالک میں	۱۲
دعوت حق	۶	درس خلافت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ العالی	۸	سمرانی غنیمت دہستان	۳
بائیکٹ اور دعوت عمل	۸	الاغفار	۸	واقعہ نجف ہشت	۲
خطبات سیتا	۸	المکتوب	۸	خون حسین	۸
اتحاد اسلامی	۳	تقریر مولانا ظفر علی خان صاحب مدظلہ العالی	۹	سوراج از مہتمما غازی صاحب مدظلہ العالی	۸
مضامین ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی	۱۰	فریاد کعبہ	۲	جنت کی برادی لکھی تحریک صوفیہ کا فو	۶
تقریر مولانا محمد علی صاحب مدظلہ العالی	۸	خلافت اور انگلستان	۸	مفتی محمد علی صاحب مدظلہ العالی	۱۰



3 1761 06991753 2



DS
479
.1
S43
M3
1920